تقاریر

از

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید رح

دینی بک ڈپو، اردو بازار دہلی

قیمت ایک روپیہ

ہماری ایمانی جدید الترتیب والی کتابیں منگا کر ملاحظہ فرمایئے

رسول کی باتیں	2/-	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء	1/40
جنت کی کنجی	3/75	علمائے حق اور انکی مظلومیت	1/40
دوزخ کا کھٹکا	3/-	اسلامی معاشرت	1/75
جنت کی ضمانت	1/25	ایمان کی باتیں	1/21
رسول اللہ	1/40	صحابہ کرام کی انقلابی جماعت	1/50
پردہ کی باتیں	1/40	صلوٰۃ و سلام مجلد	1/20
شوکت آرا بیگم	2/50	فاطمہ کا چاند	2/50
مشکل کشا	2/50	نماز کی باتیں	1/40
ماہ رمضان	1/40	مناجات مقبول اردو	1/25
رسول اللہؐ کے تین معجزات	1/80	قرآن کی باتیں	1/50
عرش الٰہی کا سایہ	1/30	وفات النبی	1/50
پہلی تقریر سیرت	1/80	دین کی باتیں	4/25
دوسری تقریر سیرت	2/50	خدا کی باتیں	3/-
جدید مترجم اعمال قرآنی	1/60	اصلاح الرسوم	1/[illegible]
ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی	1/30	تعلیم الدین	1/40
غدر کے چند علماء	1/50	از بلا	1/25
حیات المسلمین	1/40	تفسیر سورہ یونسؑ 1/25 ۔ تفسیر سورۂ اعراف	1/50
مکمل و مدلل ہفت سورہ	1/50	تفسیر سورۂ یوسف -/1 ۔ تفسیر سورہ انبیاء و حج	1/25

تفسیر سورہ بنی اسرائیل -/1 ۔ تفسیر سورہ کہف و مریم 1/25 فہرست کتب مفت طلب فرمایئے

دینی بک ڈپو ۔ اردو بازار ۔ دہلی

فہرست

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے عالمانہ مضامین کے بعد اب یہ دوسرا مذہبی، اصلاحی اور سیاسی تقریروں کا نادر اور بیش بہا مجموعہ اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے کہ اخبارات کے فائل گم ہو جانے کی وجہ سے ہم مولانا کی تقریروں کا مکمل مجموعہ شائع نہ کر سکے جس کا ہمیں افسوس ہے۔ تاہم انتہائی تلاش و جستجو کے بعد اس وقت تک جس قدر مواد بھی فراہم ہو گیا ہے انشاء اللہ شائقین کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے کافی ہوگا۔

اس مجموعہ میں سب سے زیادہ مسرت کی چیز یہ ہے کہ ہر ہر تقریر کو حضرت مولانا سے نظر ثانی کرانے کے بعد اس مجموعہ کو شائع کیا گیا ہے۔

نیاز مند

محمد سعید، مالک دینی بکڈپو

سنہ ۱۹۴۶ء

ایڈیشن

قیمت ایک روپیہ

زلزلہ
کا
ایک ہولناک مظاہرہ

صدر محترم اور معزز حاضرین! آج کے جلسہ کا اجمالی خاکہ آپ کو اس پوسٹر کی سرخی اور اس کے مضمون سے معلوم ہو گیا ہو گا جو نہ صرف دہلی کی دیواروں پر چسپاں ہے بلکہ اُن پوسٹروں کی ایک معتدبہ تعداد جمعیۃ کی طرف سے ملک کے مختلف اطراف میں بھی روانہ کی گئی ہے۔ جلسہ کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کا جلسہ صوبہ بہار کی آفت رسیدہ مخلوق کی ہمدردی میں منعقد کیا گیا ہے۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ آفت کیا ہے۔ وہ مصیبت کون سی ہے جس میں ہندوستان کا ایک صوبہ مبتلا ہو گیا ہے۔ صوبہ کے بعض اضلاع تو بالکل ہی تباہ ہو گئے ہیں۔ جو زمین گلیوں اور بازاروں سے آراستہ تھی اور جس زمین کو کبھی شہر کہتے تھے۔ جس پر عمدہ عمدہ دُکانیں اور سربفلک عمارتیں تھیں وہ زمین بجائے شہر کے ملبہ کا ڈھیر ہے۔ زلزلہ کی ہیبت سے تمام عمارتیں یا تو نیست و نابود ہو گئی ہیں یا ان کے کلیجے شق ہو گئے ہیں۔ بہت سے چٹیل میدان ندیاں بن گئے ہیں اور بہت سی ندیاں خشک ہو کر چٹیل میدان بن گئی ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انقلابات کتنی دیر میں

ہوئے۔ اتنی بڑی تباہی، اتنی بڑی بربادی اور اتنے بڑے انقلاب میں تین منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے۔ میں تو حیرت زدہ ہو کر یہ کہا کرتا ہوں، گویا یہ تمام کائنات قدرت کی ایک ہلکی سی ٹھوکر کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ زمین اور اس کی پہنائی، یہ آسمان اور اس کی چوڑائی و لمبائی، یہ پہاڑ اور انکی سربلندی یہ دریا اور ان کی روانی اور جوش و خروش، یہ ہوائیں اور ان کا غل شور، یہ سورج اور اس کی چمک دمک، یہ چاند اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی۔ یہ تارے اور ان کی آنکھ مچولی، پھول اُن کی کھلکھلاہٹ، کلیاں اور ان کی مسکراہٹ، انسان اور اس کی یہ ہماہمی کیا ہے یہ سب کچھ حضرت حق جل مجدہٗ کے ایک اشارے ہی کے محتاج ہیں ورنہ ان میں کیا رکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ

حضرات! بات تو ٹھکانے کی وہی ہے جو قرآن نے کہی ہے کہ یہ زمین و آسمان قدرت کے سہارے کھڑے ہیں اگر زمین اپنی جگہ سے ہل جائے یا آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائے تو سوائے ان کے کون ہے جو اُن دونوں کو قائم رکھ سکتا ہے اور ان دونوں کو انکی جگہ روک سکتا ہے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں ۱۵ جنوری کو دنیا میں جو حرکت دو منٹ کے بعد رُک گئی اگر خدا نخواستہ رُکتی اور زمین میں جو حرکت پیدا ہوئی تھی وہ سکون پذیر نہ ہوتی تو زمین کے اس اضطراب کو سوائے خدا کے سکون دینے والا کون تھا؟

فللہ الحمد رب السموات و رب الارض رب العلمین

زلزلہ کیا ہے؟

حضرات! آج کل اس نئی روشنی کی دنیا کا کچھ عجیب قاعدہ ہے۔ جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے یا کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اس واقعہ کی تحقیق کرنے کی غرض سے تحقیقاتی کمیٹیاں

بنائی جاتی ہیں۔ یہ کمیٹیاں اپنی اپنی رپورٹ مرتب کرتی ہیں۔ پھر ان پر بحث و تمحیص ہوتی ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو گا کہ ایک عرصہ ہوا جب امریکہ کا ایک بہت بڑا جہاز غرق ہوا تھا تو اس کی تحقیق کے لئے بھی کمیٹی بنی تھی۔ امریکہ والوں کا دعویٰ تھا کہ یہ جہاز ڈوب ہی نہیں سکتا۔ کاگ ڈوب جائے، کاگ جانتے ہو؟ وہ جو بوتل یا شیشی میں لگایا کرتے ہیں۔ مطلب یہ تھا جو نہ ڈوبنے والی چیز ہے وہ پانی میں غرق ہو سکتی ہے لیکن یہ جہاز ہم نے ایسے اصولوں پر بنایا ہے کہ یہ ڈوب ہی نہیں سکتا یہ جہاز سمندر میں چلا گیا تو ایک برف کے ٹکڑے سے جو خدا جانے کہاں سے بہتا ہوا آرہا تھا۔ اُس سے یہ جہاز ٹکرا گیا اور پانچ منٹ میں اُن تمام دعاوی کے ہمراہ جو اس کے متعلق کئے گئے تھے، پانی کی تہہ میں چلا گیا اور کسی خاموش طاقت نے امریکی عقلاء کو ایسا دندان شکن اور مُنہ توڑ جواب دیا کہ بے چارے دل سے آج تک اپنا مُنہ درست نہ ہو سکا۔ وہ خاموش طاقت جو برف کی نقاب چہرے پر ڈال کر آئی تھی اپنا کام کر چکی تو امریکی ملحد و بددین بہت چیخے چلائے۔ تحقیقی کمیٹی بنائی اور آخر کو تھک تھکا کر بیٹھ گئے۔ اسی طرح گزشتہ دنوں برطانیہ کے عقلاء نے ایک بہت بڑا ہوائی جہاز تیار کیا تھا جس کا نمبر غالباً ایک سو ایک تھا۔ اس کے متعلق بھی لاحاصل دعاوی کا طومار تھا کہ ایسا اور ویسا ہے۔ اس کی مشینری فیل نہیں ہو سکتی اور وہ تباہ نہیں ہو سکتا اور اس میں آگ نہیں لگ سکتی۔ غرض خدا جانے اس جہاز کے ساتھ کیا کیا امیدیں قائم کی گئی تھیں۔ لیکن جب وہ ایک سو ایک صاحب فضائے آسمانی میں تشریف لائے تو ان کو بھی کسی خاموش طاقت نے جو غالباً پٹرول کے ڈبے میں چھپی ہوئی تھی موت کی نذر کر دیا۔ اور وہ جہاز ان تمام دعاوی کے ساتھ جل کر خاک کا ایک ڈھیر ہو گیا۔ اس خلافِ اُمید حادثے کے بعد عقلاءِ برطانیہ چیخے چلائے، روئے پیٹے، تحقیقاتی کمیٹی بھی بنائی اور آخر کو سر پکڑ کر

بیٹھ گئے۔ اور آج تک اُس خاموش طاقت اور خفیہ ہاتھ کا پتہ نہ چل سکے۔

وللہ الکبریاءُ فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم

۱۵ جنوری کے زلزلہ کی تحقیقات کے لئے بھی ایک کمیٹی حکومت نے بنائی ہے اس سے پیشتر بھی جب کبھی دنیا میں زلزلے آئے ہیں تو ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے خاص طور پر کوشش کی گئی ہے۔ اور ایک حد تک زلزلہ کے اسباب وعلل کو دریافت کیا جاچکا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ معلوم ہوا ہے یہ آخری بات ہے اور آئندہ کسی نئے انکشاف کی اُمید نہیں ہے۔ بہرحال جو کمیٹی بنائی گئی ہے وہ اس زلزلہ کا مرکز دریافت کرنے کے بعد اس امر پر غور کرے گی کہ یہ زلزلہ کس طرح آیا۔ طبقات الارض کا کونسا طبقہ ٹوٹ کر اندر جا پڑا جس سے زمین کے اندر لہریں پیدا ہوئیں اور دس منٹ میں اتنے بڑے بڑا اعظم کو ہلا کر رکھدیا۔ لارڈ ولنگڈن مایوسانہ اور عاجزانہ نگاہوں سے دیکھتے رہے اور گورنر بہار بھی سراسیمہ و پریشان اس اندوہناک منظر کو دیکھتا رہا۔ مادی طاقت کے یہ بڑے بڑے دیوتا بحری اور برّی فوج کے لاکھوں سپاہیوں کی موجودگی میں زمین کی اُس تھرتھری کو نہ روک سکے اور نہ منتشر کر سکے جو نیپال کی ترائی سے شروع ہو کر بہار کو تباہ کرتی ہوئی لاہور تک پہنچی تھی۔ جس حکومت کی پولیس نے سینکڑوں جلسوں اور جلوسوں کو منتشر کر دیا ہو اور بڑے بڑے خفیہ اور علانیہ ایجی ٹیشنوں کو حکومت دبا چکی ہو اُس سے زلزلہ کا ایک جھٹکا بھی نہ دبایا جاسکا اور نہ منتشر کیا جاسکا۔

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔

حضرات! فلسفۂ قدیم و جدید کی رائے میں زلزلہ کی حقیقت خواہ کچھ ہی ہو اور

سائنٹیفک اصول کی بنا پر آپ زلزلہ کی خواہ کوئی تعریف کریں اور آپ کی تحقیقاتی ٹیمیں خواہ کسی نتیجے پر پہنچیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ زلزلہ کسی خاموش طاقت اور خفیہ قوت کے جلال و جبروت کا ایسا ہولناک مظاہرہ ہے جس کا تحمل اس کے عاجز بندے پانچ سکنڈ بھی نہیں کر سکتے۔ جب کبھی دنیا میں الحاد و دہریت کو عروج ہوتا ہے اور خدا کے بندے خدا کو فراموش کر دیتے ہیں تو خدا کی خاموش طاقتیں اپنے مظاہر اسی طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کرتی ہیں تاکہ بھٹکے ہوئے لوگ سنبھل جائیں اور جو لوگ گمراہی کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ ٹھیک ہو کر اپنی بدچلنی چال کا جائزہ لے لیں اور اپنی غلط کاریوں اور بداعمالیوں سے باز آجائیں۔ اور ان افعال کا ارتکاب ترک کر دیا جائے جو خدا کی مخلوق کے لئے باعث ننگ و رسوائی ہیں۔

خاموش طاقت کی حرکت

جدید تحقیقات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب طبقات ارض میں کوئی غیر معمولی انقلاب رونما ہوتا ہے اور زمین کا کوئی بہت بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر خلا میں جا گرتا ہے تو زمین کے اندر ایسا ہی تموج پیدا ہوتا ہے جیسے سمندر کے پانی یا فضائے آسمانی کی ہواؤں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ یہ موجیں زمین کو ہلاتی ہیں اور زمین اس طرح ہلنے لگتی ہے جیسے وہ کسی کشتی میں رکھی ہے اور کشتی دریا میں پڑی ہوئی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں آپ کا نظریہ کتنا ہی صحیح ہو لیکن ٹھیک بات وہی ہے کہ ایک پوشیدہ طاقت ہے جو دریاؤں اور ہواؤں کو روز حرکت دیا کرتی ہے۔ اور کبھی کبھی زمین جس کا جمود و سکون مسلم ہے۔ جس کے جمود پر ہمیں ایسا بھروسہ ہے کہ سر بفلک عمارتیں بناتے چلے جاتے ہیں۔ اس کو بھی وہ خاموش طاقت اسی طرح ہلا دیتی ہے جس طرح دریا اور سمندر ہلا کرتے ہیں۔ سمندر کی حرکت پر آپ کو یقین

ہے۔ بحری خطرات سے ہر شخص کم و بیش واقف ہے۔ حتیٰ کہ ملحدین و بت پرست بھی جب کبھی دریائی سفر کرتے تھے تو خدا کو مخلصین کی طرح پکارا کرتے تھے۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

چونکہ دریا کو ہلتا ہوا دیکھتے تھے تو کشتی کے غرق ہو جانے کا خطرہ ہوا کرتا تھا جب زمین پر اُتر آتے تھے تو خیال کرتے تھے کہ اب ہم خطرے سے بچ گئے۔ اور سمندر اور دریا میں جس طاقت کے خوف سے ڈرتے تھے خشکی میں آکر اس قوت کو فراموش کر دیا کرتے تھے اور احمق یہ سمجھتے تھے کہ زمین چونکہ ساکن ہے اس لئے اس پر غرق ہونے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ ایسے احمقوں اور کور باطن لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا۔

غالباً یہ سمجھ کر نڈر ہو گئے کہ ہم اب دریا سے خشکی پر پہنچ گئے۔ اب ہمارا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اب ہم غرق ہونے اور ہلاک ہونے کے امکان سے بچ گئے ہیں ایسے ہی بے وقوفوں۔۔۔ کو قدرت نے خطاب فرما کر کہا جس خطرے کے باعث تم دریا میں مجھے پکار رہے تھے وہ خطرہ اب بھی موجود ہے۔ کیونکہ جو طاقت دریا کو ہلا رہی تھی وہی طاقت زمین کو بھی دریا کی طرح ہلا سکتی ہے۔ وہاں غرق ہونے کا اندیشہ تھا اور یہاں دھنس جانے کا اندیشہ ہے۔ وہ طاقت جو سمندروں میں تموج پیدا کر سکتی ہے وہ زمین میں بھی لہریں پیدا کر سکتی ہے۔ زمین پھٹ جاتی ہے اور زمین کے بسنے والے زمین کی تہہ میں اسی طرح اترتے چلے جاتے ہیں جس طرح کشتی پر بیٹھنے والے دریا کی تہہ میں غرق ہو جاتے ہیں۔ پھر ہلاکت کی صورت صرف دریا میں ڈوب جانا یا زمین میں دھنس جانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ تم زمین پر بیٹھے رہو اور آسمان پر سے تم پر پتھر گرا کر تم کو ہلاک کر دیا جائے۔ یہ کیسا احمقانہ خیال ہے کہ دریائی سفر کے ختم ہوتے ہی خطرات سے بے خوف ہو گئے، اور

یہ بھی تو ممکن ہے کہ پھر کسی ضرورت سے دریا کا سفر پیش آجائے اور پھر کشتی پر بیٹھنا پڑے اور جس خطرے سے نکل کر بے خوف ہوئے تھے اُسی خطرے سے پھر دوچار ہونا پڑے اور جس نے پہلی مرتبہ تم کو اس سے نجات دے دی تھی اس مرتبہ تم کو غرق کر کے ہلاک کر دے اور کوئی تمہارا حامی اور مددگار بھی نہ ہو۔ جو ہمارا پیچھا کر سکے یا ہم سے تمہارے متعلق سوال کر سکے۔ جب حالات یہ ہوں۔ خشکی و تری کا مالک دونوں چیزوں پر پورا کنٹرول رکھتا ہو تو اس کو جس طرح دریا میں فراموش نہیں کر سکتے اسی طرح خشکی اور جنگل میں بھی اس کی بے پناہ طاقت سے بے خوف نہیں ہو سکتے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ۔ اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ۔

زمین و آسمان

حضرات! یہاں خشکی اور تری دریا اور جنگل، سمندر اور صحرا کا سوال نہیں ہے بلکہ یہاں تو کائنات کی حکومت کا سوال ہے۔ زمین اور دریا تو عالمِ سفلی کے بعض حصص کا نام ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ عالمِ علوی پر کس کی حکومت ہے۔ اس آسمان کو جسے آپ حدِ نگاہ کہتے ہیں کون روکے بیٹھا ہے، یہ کس کے قبضہ میں ہے۔ یہ کیوں نہیں ٹوٹ کر گر پڑتا۔ اس کا کوئی حصّہ اس سے علیحدہ ہو کر کیوں زمین پر نہیں آ پڑتا۔ یہ بے ستون کی چھت کس کے سہارے کھڑی ہے اس کی نگرانی کس کے ذمہ ہے۔ کون اس کا نگہبان اور محافظ ہے۔ یہ چاند سورج آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ تارے آسمان میں سے جھڑ کر زمین پر کیوں نہیں آگرتے۔ تم سمجھتے ہو کہ اس خاموش طاقت کا اثر عالمِ سفلی پر ہے۔ نہیں نہیں جس طرح اس طاقت کا پورا

اثر اور کنٹرول عالم سفلی پہ ہے۔ اسی طرح عالم علوی بھی اس کا زیر نگیں ہے۔
عالم علوی کا یہ سب سے بڑا کرہ انہی کے سہارے کھڑا ہے۔ وہ چاہیں تو ایک منٹ میں اس آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں اور یہ زمین جو تین منٹ کی تھرتھری کے بعد سکون پذیر ہوگئی وہ چاہیں تو ایک پل میں ریزہ ریزہ کر دی جائے۔ یہ پہاڑ جن کو آپ بڑا مضبوط سمجھتے ہیں اُن کے ایک اشارے سے روئی کے گالے بن کر بادلوں کی طرح فضا میں اُڑتے پھریں وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور فرماتے ہیں وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ غرض بڑی سے بڑی مخلوق اور کائنات کا بڑے سے بڑا کرہ ان کے حکم اور اشارے کا منتظر بیٹھا ہے کہ کب ان کا حکم ہو اور کب یہ چیزیں موت کا پیالہ پی کر فنا ہو جائیں۔
معزز حاضرین! اس کائنات میں اُسی خاموش قوت کی کارفرمائیاں ہیں اور عالم علوی کا کوئی کرہ ہو یا عالم سفلی کا کوئی حصہ ہو سب کے سب مسخر اور اسی قوت کے مطیع و منقاد ہیں۔
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ
حضرات! اُس خالق کائنات کے سامنے اس کائنات کی حیثیت اتنی بھی تو نہیں جتنی پہاڑ کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی ہوتی ہے۔
۱۵ جنوری کا زلزلہ جس نے تین منٹ کی مدت میں شہر کے شہر تہہ و بالا کر دیئے۔ آپ ان شہروں کی آبادی کا تصور کیجئے جو شہر تین منٹ میں ڈھا دیا جائے اس شہر کے رہنے والے کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟ پھر یہ تباہی بھی بغیر کسی نوٹس اور اطلاع کے نازل ہوئی یہی وجہ ہے کہ جو لاشیں اب نکل رہی ہیں

ان کی عجیب ہیئت بیان کی جا رہی ہے۔ کہیں ایک شیر خوار بچہ ہے جو اپنی ماں کی چھاتی منہ میں لئے ہوئے ہے۔ بچہ زندہ ہے۔ ماں کی چھاتی منہ میں ہے اور ماں مردہ ہے۔

ایک جوان لڑکی ستون سے لپٹی ہوئی ہے اور مردہ ہے۔ ایک حکیم صاحب عبدالغفور نامی وضو کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں لوٹا ہے اور ایک ہاتھ سے اپنا پاؤں پکڑے ہوئے دھو رہے ہیں اور اسی حالت میں مکان گر پڑا ہے۔ لاش اسی حالت میں نکلی ہے۔ لوٹا ایک ہاتھ میں پاؤں ایک ہاتھ میں۔

دربھنگہ کے بازار میں عید کے لئے خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ ایک پاؤں میں جوتی ہے اور ایک جوتی دکاندار کے ہاتھ میں ہے۔ بزاز کے ایک ہاتھ میں گز ہے دوسرے ہاتھ میں کپڑا ہے۔ گاہک سامنے بیٹھا ہے کہ دونوں دب گئے۔ کوئی کھڑا ہے تو کھڑا ہی دب گیا اور کوئی بیٹھا ہے تو بیٹھے ہی بیٹھے دب کر رہ گیا۔

عورتوں کی گھبراہٹ

جو لوگ صوبہ بہار کی تہذیب سے واقف ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ وہاں کی مسلم خواتین کس قدر پردہ کی پابند ہیں۔ شرفا اور امرا کی بیگمات کا تو کہنا ہی کیا ہے ان کے دامن تو فرشتوں کی نگاہوں سے بھی محفوظ ہیں۔ غربا اور مسلمانوں کی عورتیں بھی باہر نکلنے کی عادی نہیں ہیں۔ اس قیامت خیز زلزلہ نے ان معصوموں کے ہوش گم کر دیئے اور وہ بجائے دروازہ سے باہر بھاگنے کے ڈر کر اندر بھاگیں صحن کی عورتیں دالان میں اور دالان کی عورتیں گھبراہٹ سے کوٹھریوں کی طرف دوڑیں۔ پھر غضب یہ کہ اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی جنہیں یہ عورتیں فطرتاً اپنا سرمایۂ حیات اور زندگی کا سہارا سمجھتی ہیں لے کر بھاگیں۔ ہائے وہ یہ نہ سمجھیں کہ کوٹھری اور دالان بیرونی مصیبتوں کے بچاؤ کی چیزیں ہیں۔ لیکن جب مصیبت کا گہوارہ

ہی دالان اور کوٹھریاں ہوں وہ پناہ تلاش کرنے والوں کو کس طرح بچا سکتی ہیں؟ عورتوں کی اس بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی جانیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ضائع ہوئیں۔

محترم حاضرین! صوبہ بہار کا تمدّن وہاں کی تہذیب اور وہاں کی تاریخی روایتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ اس دَور جدید میں بھی وہاں اسلامی تہذیب کے بہت زیادہ اثرات موجود ہیں۔ ایک زمانہ میں تو صوبہ بہار علم و عمل کا مرکز اور محور تھا بالخصوص معقولات کا فن تو بہار کی خصوصیات میں سے تھا۔ آج بھی صوبہ بہار میں صدہا خانقاہیں اور ہزارہا شُہداء کے مزارات ہیں۔ بزرگانِ دین کے مزارات آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہیں جہاں لوگ دُور دور سے حاضر ہوتے ہیں اور اپنے امراض باطنیہ سے صحت یاب ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی صوبہ بہار میں علماء اور صوفیا کی کافی تعداد ہے۔ اگرچہ اس صوبہ میں مسلم آبادی بہت کم ہے شاید دس یا بارہ فی صدی آبادی مسلمانوں کی ہوگی۔ شہروں میں تو کچھ آپ کو مسلمان نظر آئیں گے۔ لیکن میلوں آپ کو ایسے دیہات نظر آئیں گے جہاں پورے گاؤں میں ایک مسلمان بھی آپ کو نہیں ملے گا۔ اس مذہبیت کا یہ اثر ہے کہ وہاں کی خواتین زیادہ محتاط ہیں۔ شاید بجز پٹنہ کے اور کہیں پردہ باغ بھی نہ ہوگا۔ دہلی میں تو ایک پردہ باغ موجود ہے اور ایک اور تعمیر ہونے والا ہے اب کوئی باغ کمیونٹی لائن پر تعمیر ہونے والا ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ اب پردہ باغ صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہوگا۔ صوبہ بہار کی عورتیں گھروں سے نکل کر بھاگتیں تو کہاں جاتیں۔ جو عورتیں کبھی گھر سے نکلنا نہ جانتی ہوں وہ نکلتیں بھی تو کہاں جاتیں؟ ------ خود آپ دہلی میں دیکھئے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں کیا ہوا تھا؟ ------ آج بھی اگر دہلی کے کنوؤں کو تلاش کیا جائے اور جو کنوئیں بند

ہو چکے ہیں اُن کو کھدوا کر دیکھا جائے تو قلعہ معلےٰ کی صدہا خواتین کی ہڈیاں برآمد ہوں گی۔ وہ شریف عورتیں جو مخمل کے فرش پر بھی چلنے سے گھبراتی تھیں اور اطلسی فرش پر بھی چلنے سے اُن کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ جب ان کو قلعہ معلیٰ سے نکل کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلنا پڑا تو انہوں نے زندگی پر موت کو ترجیح دی اور مختلف کنوؤں میں اُنہوں نے گر کر جان دیدی ایک انگریز نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے سڑک پر چند عورتوں کو دیکھا کہ اُن کے خاوندوں نے پہلے ان کو قتل کیا اور پھر خودکشی کر لی۔ شالوں میں لپٹی ہوئی لاشیں خانم کے بازار میں پڑی ہوئی تھیں۔ خاوندوں نے اس خوف سے قتل کیا کہ اُن کی عصمت دری نہ ہو۔ اور پھر اپنے آپ کو بھی قتل کر لیا اور خودکشی کر لی۔ انقلاب سخت خوفناک چیز ہے اور وہ بھی تین منٹ کا انقلاب، تین منٹ میں جو کچھ نہ ہونا تھا وہ سب کچھ ہو گیا۔ بڑے بڑے مالدار غریب اور روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ جو مکاندار تھے اور سینکڑوں ہزاروں روپے کے کرایہ خوار تھے آج اُن کے پاس رہنے کو مکان نہیں ہے۔ وہ جنگل میں چادر تانے پڑے ہیں۔ اُس مارواڑی کا قصہ آپ نے سن ہی لیا جو لکھ پتی تھا۔ لیکن چار سے مٹھی بھر چنے مانگ رہا تھا۔ مولانا عبدالوہاب صاحب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ صرف صُور کی آواز نہ تھی ورنہ قیامت میں کوئی شک نہ تھا۔ حضرت شاہ حبیب اللہ صاحب مظفرپوری کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ شاہ حبیب اللہ صاحب صوبہ بہار کے ایک مشہور بزرگ ہیں اور مجھ پر خاص طور پر کرم فرماتے ہیں۔

صاحبو! بات یہ ہے کہ حضرت حق اگر اپنے جلال و جبروت کا مظاہرہ کرنے پر آجائیں تو ان کو کون روک سکتا ہے۔ ان کے لئے عالم سفلی اور علوی دونوں یکساں ہیں۔ دونوں عالم اپنے وجود و بقا میں ان ہی کے محتاج

ہیں۔ زمین کو اور آسمانوں کو خود بھی اُن کی خدائی اور اپنی بندگی کا اعتراف ہے ان دونوں کو زندگی عطا کرتے وقت ارشاد ہوا تھا۔ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۔

بھائیو! اطاعت تو زمین و آسمان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ بھی سرتابی نہیں کر سکتے اور چونکہ حضرت حق جل مجدہٗ کو زمین و آسمان کے ہر حصہ اور ہر گوشہ پر ہر قسم کا حق تصرف اور حق ملکیت حاصل ہے۔ اسلئے خدائی زبان میں اپنی قوت و طاقت کا اعلان ذیل کے الفاظ میں فرماتے ہیں۔

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ

زلزلہ کے بعد بارش

حضرات! بہار کے مصائب کا خاتمہ نہیں نہیں ہوتا بلکہ جو بے خانماں جنگل میں درختوں اور کپڑے کی چادروں کے نیچے پڑے ہوئے ہیں۔ ان پر بارش برس رہی ہے سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔ گویا قدرت اپنے سب کام اپنے وقت پر نہایت بے نیازی اور استغنا کے ساتھ کر رہی ہے۔ جو مکان گرنے سے بچ گئے تھے لیکن زخمی کھڑے ہوئے تھے ان کو بارش موت کے گھاٹ اُتار رہی ہے۔ حضرت حق کی پالیسی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام شہر از سرِ نو بسانا چاہتے ہیں۔ ابھی تک سینکڑوں لاشیں دبی ہوئی پڑی ہیں جو آہستہ آہستہ نکالی جا رہی ہیں۔ لاشوں کے پھٹ جانے اور پھول جانے سے تمام گلیاں بدبودار اور تعفن کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ زمین کی کپکپاہٹ اور تھرتھری کی یہ حالت ہے کہ روز ایک دو دفعہ زلزلہ کے جھٹکے ہو جاتے ہیں۔ جو مر چکے وہ تو مر ہی چکے جو زندہ ہیں وہ موت اور تباہی کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

صاحبو! یہ کیا زندگی ہے۔ پہننے کو کپڑا نہیں، کھانے کو روٹی نہیں، رہنے کو مکان نہیں، جس زمین پر بیٹھے ہیں اُس کو سکون نہیں، بارش کا زور، ہواؤں کا شور، سردی کا موسم، اعزا کی لاشیں، شہر کا تعفن۔

تباہی کی چیخ و پکار

بیوہ عورتوں کا نالہ و بکا غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں جو اہلِ بہار پر نہ آئی ہو۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔

مولانا ابوالمحاسن صاحب نے لکھا ہے کہ میں ہندوستان کے یتیم خانوں سے خط و کتابت کر رہا ہوں کہ وہ کس قدر یتیم لے سکتے ہیں۔ مجھ کو فرماتے ہیں، کچھ تو بھی دہلی کے یتیم خانوں سے دریافت کر کہ دہلی کے یتیم خانے کتنے یتیم لینے کو تیار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔

بہار کیا ہے انقلاب کا ایک مرقع ہے۔ ہم تو دہلی کو کہا کرتے تھے کہ یہاں تاجدار و اور ماتھی نشینوں کی اولاد کو بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ بہار میں بڑے بڑے مالداروں کو آج بھیک مانگتے دیکھ لو جو کل تک خود دوسروں کو کھلاتے تھے، آج منگتا ہیں جو کل تک ہرے بھرے تھے، آج ان میں ایک شاخ بھی نہیں۔ جو کل تک زندہ تھے، وہ آج مردہ ہیں جو کل ماں باپ والے تھے، آج یتیم ہیں جو عورتیں کل خاوند والی تھیں وہ آج بیوہ ہیں۔ یہ قیامت خیز زلزلہ اگر دہلی میں آجاتا تو تم کیا کرتے؟ آج تمہاری کیا حالت ہوتی؟ ۱۸۵۷ء کی تباہ شدہ دہلی آج تک نہ سنبھل سکی۔ حالانکہ وہ انگریزوں نے تباہ کی تھی اور انگریزوں کی تباہی اور قدرت کی تباہی میں بڑا فرق ہے۔ کیا جو نقصان بہار کو پہنچ گیا ہے اس کی تلافی پچاس سال میں بھی ممکن ہے؟ مرنے والے تو واپس نہیں آسکتے۔ مگر زندوں کا جو نقصان ہو گیا ہے اس کی بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ کروڑوں روپے کا

مال وہاں پڑا ہے جو کوڑیوں کی قیمت کا بھی نہیں رہا۔

کرفیو آرڈر وہ ہمارے ہاں ایک مثل مشہور ہے ناچوروں سے جو کچھ بچا وہ فال کھلوائی میں گیا۔ دنیا تو اپنی مصیبت میں مبتلا ہے لیکن ایک طرف تو ہمارا ماتم کدہ بنا ہوا ہے دوسری طرف سنیئے کہ دنیا بھر کے بدمعاش اور چور وہاں پہنچ گئے ہیں جو چوری کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہاں کی حکومت نے مجبوراً کرفیو آرڈر جاری کیا ہے۔ جب میں نے یہ عنوان اخبار میں پڑھا تو مجھ کو حیرت ہوئی کہ وہاں کانگریس کی تحریک کیسے شروع ہو گئی یا کوئی فرقہ وارانہ فساد ہو گیا لیکن یہ عجیب و غریب خبر پڑھی تو کسقدر افسوس ہوا کہ یہ لیجیئے دنیا تباہ ہو رہی ہے لوگ برباد ہو رہے ہیں اور چوروں کو اپنی پڑی ہوئی ہے۔ یہ مردود خلق خدا کو لوٹنے پہنچ گئے۔ اگر حکومت ہمارا اپنی دانشمندیوں کا ثبوت نہ دیتی تو شاید یہ بدمعاش مصیبت زدوں کو لوٹ کر کھا جاتے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ط

۱۳۴۹ھ کا زلزلہ حضرات! پہلے تو یہ سُن رہے تھے کہ یہ زلزلہ تاریخ میں پہلا زلزلہ آیا ہے۔ آج تک ہندوستان میں کبھی ایسا زلزلہ نہیں آیا۔ بڑے بڑے بڈھے کہتے ہیں ایسا زلزلہ ہم نے نہیں سُنا۔ اب ایسوسی ایٹڈ کا ایک بیان آیا ہے کہ اب سے سو سال پہلے بھی ایسا ہی ایک زلزلہ آیا تھا۔ بعض حضرات کے قلمی مسودوں میں بھی اُس گزشتہ زلزلہ کا ذکر موجود ہے۔ وہ تحریریں اب شائع ہو رہی ہیں۔ دنیا کی بھول کا بھی کیا ٹھکانہ ہے اس زمانہ کے بڈھے کہتے ہیں ہم نے ایسا زلزلہ نہیں سُنا۔ یہ بڈھے خدا جانے جوانوں کا دل رکھنے کو کہدیتے ہیں یا واقعی ان کو یاد نہیں رہتا۔ ۱۹۰۴ء میں جب صبح کو زلزلہ آیا ہے اور جس میں کانگڑہ تباہ ہو چکا ہے تو اس کا جھٹکہ دہلی میں بھی نہایت زور سے محسوس ہوا تھا۔ اُس وقت اللہ بخشے میری دادی اماں زندہ

تھیں۔ انہوں نے اسوقت بتایا تھا کہ جس دن مرزا جواں بخت کی شادی ہو رہی تھی اُس دن بھی ایسا ہی سخت زلزلہ آیا تھا۔ اب جواں بخت کی شادی لامحالہ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہوئی ہوگی اور بہت ممکن ہے کہ جس زلزلہ کو دادی اماں بتاتی تھیں وہ وہی زلزلہ ہو جو سنہ ۱۸۳۴ء میں آیا تھا۔ مرزا جواں بخت بہادر شاہ کے ولیعہد تھے۔ بہرحال بعض قلمی مسودات سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۸۳۴ء میں بھی ایسا ہی ہولناک زلزلہ آچکا ہے۔ لیکن اس میں اتلافِ جان بہت کم ہوا تھا۔ کیونکہ وہ دفعتاً نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کے آہستہ آہستہ جھٹکے آتے رہے اور رات کو ایک دم زور میں زلزلہ آگیا۔ چونکہ لوگ سرِ شام ہی میدانوں میں نکل گئے تھے۔ اس لئے اس زلزلہ کی زد سے محفوظ رہے۔ اگرچہ مالی نقصان اس میں بھی بہت زیادہ تھا اور زور کا زلزلہ آنے کے بعد ایک سال سے زائد یہ زلزلہ جاری رہا تھا۔ دوسرے تیسرے روز جھٹکا محسوس ہوا کرتا تھا۔ یہی حالت اس دفعہ ہوئی۔ لیکن اس دفعہ اچانک اور دفعتاً جھٹکا شروع ہوا جس سے کوئی مکان گرنے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ کم و بیش پچاس ہزار جانوں کا اتلاف ہوا۔ مساجد و معابد تمام منہدم ہوگئے خانقاہوں کے گنبد اور مجلس خانے چکنا چور ہوگئے۔ تبرکات جن عمارتوں میں رکھے ہوئے تھے انکو بھی نقصان پہنچا۔ بہرحال سنہ ۱۸۳۴ء کی تباہی سے سنہ ۱۹۳۴ء کی تباہی بہت زیادہ ہے اور آپ حضرات کی توجہ کی بہت زیادہ مستحق ہے۔

امداد کی ضرورت اور اس کا طریقہ

معزز حاضرین! آپ نے اہلِ بہار کے مصائب سُنے۔ اگر ان مصائب کو دریا فرض کریں تو یہ ان میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ہیں۔ اُن کے مصائب کی داستان ایسی زہرہ گداز ہے کہ بیان کرنیوالا اُس میں مبالغہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جس قدر مبالغہ

کیا جائے گا وہ صحیح ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان مصائب کا تصور ہی ہمارے امکان سے خارج ہے۔ جب حالت یہ ہو جو عرض کی گئی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو تو آپ ہی فرمائیے ان کو کس قدر امداد کی ضرورت ہوگی۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی اسلامی مواساۃ و مواخاۃ کا تقاضا یہ ہے کہ ان مصائب زدگان کی جسقدر امداد و اعانت ہو سکتی ہے وہ کی جائے۔ صرف مساجد کی تعمیر ہی کے لئے پچیس لاکھ روپیہ کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جب مساجد کی تعمیر کا یہ حال ہے تو فرمائیے کہ مکانات کی تعداد تو مساجد سے زیادہ ہی ہے۔ مکانات کی تعمیر میں کس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ مونگیر کے متعلق تو ابھی اخبار میں شائع ہوا تھا کہ تمام شہر میں صرف چار مکان محفوظ رہے ہیں۔ مظفر پور، دربھنگہ، مونگیر، موتی ہاری، پٹنہ، سیتا مڑھی۔ یہ کوئی چھوٹے چھوٹے شہر نہیں۔ ان کی آبادی اور ان کی عمارتیں بہار کے اضلاع میں نمایاں تھیں۔ اتنے بڑے بڑے شہروں کو از سر نو آباد کرنا معمولی کام نہیں ہے۔ ابھی حضرت مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا تھا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کا اجر دیا گیا اور ایک فاحشہ عورت کی نجات ہوگئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر تر جگر والے کے ساتھ سلوک کرنا ثواب کی بات ہے میں سمجھتا ہوں کہ اہل بہار کی اعانت و امداد کا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ وائسرائے سے لے کر ایک معمولی شخص تک کو اس کا احساس ہے۔ جب زلزلہ آیا وائسرائے کلکتہ سے روانہ ہو رہے تھے۔ اسوقت لیڈی ولنگڈن نے خوب بات کہی تھی کہ جب ہم مدراس سے چلے تھے تو سخت آندھی آئی تھی۔ اب کلکتہ سے چلے تو زلزلہ آرہا ہے۔ یہ بھی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ جب وائسرائے کہیں سے رخصت ہوتے ہیں تو طوفان اور زلزلہ ان کی مشایعت کرتا ہے۔ اس وقت لیڈی ولنگڈن کو شاید یہ خیال نہ ہوگا کہ یہ زلزلہ قیامت نما ہے۔ جب زلزلہ

کے واقعات معلوم ہوئے تو وائسرائے نے اپیل کی اور ان کے فنڈ میں اسوقت تک لاکھوں روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ بہر حال بڑے سے لے کر چھوٹا تک اہل بہار کی امداد میں مصروف ہے۔

امداد کی ضرورت

محترم حاضرین! اہلِ بہار کی امداد کے لئے اس وقت تین فنڈ کھلے ہوئے ہیں۔ ایک وائسرائے فنڈ جس میں اس وقت تک تقریباً نو لاکھ روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ دوسرا بابو راجندر پرشاد کا جس میں غالباً چار یا پانچ لاکھ کے درمیان روپیہ آچکا ہے۔ تیسرا امارت شرعیہ پھلواری شریف کا فنڈ ہے جس کے متعلق مفتی صاحب نے اعلان فرمایا ہے کہ ہندوستان کی دیسی ریاستیں اور حکومت پسند لوگ عام طور سے وائسرائے کو چندہ بھیج رہے ہیں۔ نیشنلسٹ اور روشن خیال ہندوؤں اور مسلمانوں کی تمام رقوم راجندر بابو کے نام جا رہی ہیں۔

راجندر بابو پر اعتماد

راجندر بابو پر ہر شخص کو پورا پورا اعتماد ہے۔ راجندر بابو وہ شخص ہے جس کو ہر کانگرسی بلکہ کانگریس کے مخالف بھی معتمد سمجھتے ہیں۔ صحیح بات تو یہی تھی کہ تمام ہندو مسلمان اپنا روپیہ انہی کے نام بھیجتے۔ لیکن بابو راجندر چونکہ کانگریسی ہیں اس لئے حکومت کے متعلقین کو تامل ہوتا ہے حالانکہ تامل کی ضرورت نہ تھی۔ ہم حکومت سے زیادہ راجندر بابو پر اعتماد کرتے ہیں۔ حکومت کی تقسیم پر اطمینان نہیں ہو گا کیونکہ ہم سیلاب کے زمانہ میں دیکھ چکے ہیں کہ حکومت کا عملہ اس قسم کے معاملات میں بڑے استغنا سے کام لیتا ہے۔ مسٹر لیرڈ دہلی کے ڈپٹی کمشنر اس زمانے میں مارے مارے پھرتے تھے لیکن ان کے ماتحت لوگوں کی تقسیم پر اور ملازمین کے اخلاق پر اکثر گاؤں والوں کو اعتراض تھا خدانخواستہ وائسرائے کی ذات پر کوئی بد اعتمادی نہیں لیکن

اس کام کے لئے جو افسر مقرر کیا جائے گا اسکے متعلق عام طور پر شکایات پیدا ہوں گی۔
اسلئے میری ذاتی رائے یہ تھی کہ بابو راجندر پر ہر ہندو مسلمان کو اعتماد کرنا چاہیئے تھا
جسقدر ہمدردی سے راجندر بابو کے ذریعہ مصیبت زدگان کی خدمت انجام دینگے
حکومت یا عمالِ حکومت نہیں دے سکتے۔

امارت شرعیہ

راجندر بابو پر اعتماد رکھتے ہوئے پھر بھی امارت شرعیہ کے لئے اپیل کرنے کی ضرورت پیش آئی
اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم کو صوبہ بہار کی کانگریس پر یا راجندر بابو پر اعتماد
نہیں ہے بلکہ مسلمان عام طور سے اس فنڈ میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہتے تھے اور
زکوٰۃ یا عشر کا روپیہ صرف مسلمانوں ہی پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ وہ تمام روپیہ امارت
شرعیہ پھلواری شریف کو بھیج دیا جائے۔ امارت کا نظام صوبہ بہار کے اکثر اضلاع
میں قائم ہے اور ایک باضابطہ اور شرعی نظام ہے۔ حضرت شاہ محی الدین صاحب
امیر الشریعت یا مولانا عثمان غنی صاحب کے نام روپیہ روانہ کیا جا سکتا ہے۔
اور امیر الشریعت کی نگرانی میں حسن انتظام کے ساتھ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ امارت
شرعیہ کا ایک بیت المال بھی ہے۔ جس میں باقاعدہ زکوٰۃ اور عشر جمع ہوتے ہیں حضرت
مفتی صاحب قبلہ اور حضرت امیر الشریعت قبلہ اور حضرت نائب امیر الشریعت کے اعلانات
کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا وہ تمام روپیہ پھلواری شریف بھیجتے اور زکوٰۃ کے روپیہ کی تصریح
کر دیتے تاکہ وہ روپیہ صحیح مصارف میں خرچ کیا جاتا لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا
ہوں کہ مسلمانوں کو اپنے ہی پر اعتماد نہیں ہے چنانچہ اس بداعتمادی ہی کا یہ نتیجہ
ہے کہ جگہ جگہ سے خود تقسیم کرنے کو لوگ پہنچ رہے ہیں۔ ہر جماعت نے دو چار سو روپیہ
دس بیس کمبل بغل میں دبائے اور بہار کا ٹکٹ لے کر پٹنہ کا رخ کیا۔ اگر واقعات
کی تحقیقات یا رضاکارانہ خدمت انجام دینے کا شوق ہوتا تو مضائقہ نہیں تھا

لیکن اگر محض روپیہ تقسیم کرنے کی غرض سے جانا ہے تو یہ جانا محض بیکار ہے بلکہ اپنی بد اعتمادی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب آپ کا نظام موجود ہے تو آپ کو پھر دوڑ دوڑ کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طوائف الملوکی کا ایک نقصان تو ظاہر ہی ہے کہ بعض غیر مستحقین کی خدمت ہوتی ہے اور مستحقین محروم رہ جاتے ہیں۔ جہاں دنیا بھر کے چور پہنچ گئے ہوں وہاں دنیا بھر کے فقراء کو آنے سے کون روک سکتا ہے بعض مقامات پر امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ مقامی غریب کون ہیں اور بیرونی فقیر کون ہیں۔ پھر مصیبت زدہ رقبہ میں تو اکثر حضرات ایسے ہیں جو اپنی شرافت کے باعث اپنی مصیبت کا اظہار بھی عیب خیال کرتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو قرض دیدیا جائے اور یہ قرض ان سے بالاقساط وصول کر لیا جائے اس طوائف الملوکی سے متاثر ہو کر بعض مقامات پر چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں معززین شہر کی اس غرض کے لئے بنادی گئی ہیں کہ جو حضرات باہر سے تشریف لائیں وہ ان کی امداد اور مشورے سے کام کریں تاکہ وہ صحیح مستحقین سے تعارف کرا سکیں۔ اور صحیح اہل ضرورت تک ان بیرونی حضرات کو پہنچا دینے کی خدمت انجام دے سکیں۔

معزز حاضرین! آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کہ زکوٰۃ اور عشر کے روپے کا صحیح مصرف اور اس کی وکالت امارت شرعیہ ہی کر سکتی ہے۔ اور یہ تو موٹی سی بات ہے کہ بہار کے لوگوں کو اہل بہار ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو لوگ اس معاملہ میں محض اجنبی ہیں وہ وہاں جا کر بدون ان حضرات کی رہنمائی کے کیا کر سکتے ہیں؟ جب وہاں کے ورکرز کی رہنمائی میں کام کرنا ہے تو ان پر اعتماد کیجئے۔ اور تمام روپیہ براہ راست انکے نام روانہ کر دیجئے۔

براہِ راست امارتِ شرعیہ

یہ براہ راست کا لفظ میں نے اس لئے بولا ہے کہ ہم کو بھی اپنی کوئی خبر

نہیں۔ کیونکہ خدا جانے ہم پر بھی اعتماد ہو یا نہ ہو۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے مگر کہنے کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک صاحب مفتی صاحب قبلہ کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کوئی چالیس ہزار روپیہ کی جائداد خرید رہے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا، صاحب مجھے تو معلوم نہیں تھوڑا عرصہ ہوا تو میں نے یہ تو سنا تھا کہ مفتی صاحب اپنا سکونتی مکان فروخت کر رہے ہیں جب جیل کی مدت غالباً مفتی صاحب کی دس مہینے کی باقی تھی تو شاید گھر سے کوئی پریشانی کی خبر گئی تھی۔ اس وقت مفتی صاحب کا قصد تھا کہ اپنا مکان فروخت کر دیں اور مکان کا روپیہ اہل و عیال پر خرچ کر دیں کیونکہ مفتی صاحب قید کے زمانہ میں مدرسے تو تنخواہ لیتے نہیں تھے۔ اس لئے خیال تھا کہ مکان کو فروخت کر کے قید کی مدت پوری کی جائے۔ یہ غالباً دس گیارہ مہینے کا واقعہ ہے۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ جیل سے رہا ہونے کے بعد مفتی صاحب کے پاس چالیس ہزار کی جائداد خریدنے کے لئے روپیہ کہاں سے آ گیا۔ اور جائداد بھی کونسی یہ سامنے والی جائداد جس میں ہوٹل ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تو بھائی صاحب آپ کا کیا اعتبار ہے۔ آپ خدا جانے ہم پر بھی اعتماد کریں یا نہ کریں اس لئے آپ سے کہا گیا ہے کہ آپ براہ راست امارت شرعیہ کو روپیہ بھیج دیجئے لیکن پھر بھی بعض مخلصین نے دفتر کو روپیہ بھیج دیا ہے۔ چنانچہ پرسوں امارت شرعیہ کے نام پہلی قسط پانچسو روپے کی میں نے دفتر سے روانہ کر دی ہے حاجی عبدالمغنی صاحب کے سو روپے اس سے علیحدہ ہیں جو انہوں نے براہ راست روانہ کئے ہیں۔ اگر زیادہ رقم ہو تو براہ راست بھیج دیجئے۔ لیکن اگر کم ہو تو آپ جمعیت کے دفتر میں بھیج سکتے ہیں۔ جب معقول رقم ہو جائے گی تو ان کو دوبارہ بھیج دی جائے گی۔

کمیونل بحث سے بچو

حضرات! میں یہ اور عرض کر دوں کہ خدا کے لئے اس امداد میں فرقہ وارانہ بحث کو دخل نہ دیجئے۔ بعض لوگوں نے شکایت شروع کر دی ہے کہ ہندو صرف ہندوؤں کی امداد کرتے ہیں مسلمانوں کو نہیں دیتے یا مسلمان صرف مسلمانوں کو دیتے ہیں ہندوؤں کو نہیں دیتے یا گورنمنٹ کے بعض حکام ہندو ہیں وہ ہندو اہل مصیبت کا خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کے لغو مباحث نہایت تکلیف دہ ہیں۔

میں نے عرض کر دیا ہے کہ زکوٰۃ جو مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ اس کی رقم تو مجبوراً صرف مسلمانوں پر ہی خرچ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان سرمایہ داروں پر مسلمان مزدوروں ہی کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اسلام نے مزدور کو سرمایہ دار کے سرمایہ میں چالیسویں حصہ کا شریک کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ درحقیقت غریب اور مزدور کا حصہ ہے جو ہر سال چھٹا باندھ کر سرمایہ دار کو پورے حساب سے مسلمان فقیر کو ادا کرنی چاہیئے اسلئے اس روپے میں تو مذہبًا مسلمان ہی حصہ دار ہے۔ البتہ باقی روپیہ بلا امتیاز ہندو مسلم بلکہ جملہ مخلوقِ خدا پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

موت فرقہ وارانہ نہیں ہو

اہل بہار پر جب موت کا حملہ کمیونل حیثیت سے نہیں ہوا اور قدرت نے ہندو مسلم کی تقسیم نہیں کی تو تم بھی ہندو مسلم کی تقسیم نہ کرو بلکہ بلا امتیاز مخلوقِ خدا کی خدمت کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی کل کبد رطبۃ فرمایا ہے۔ جب بہائم اور دیگر حیوانات کی خدمت بھی موجب اجر ہے تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی خدمت کیوں نہ موجب ثواب ہو گی۔

آخری اپیل

دہلی کے مسلمانو! تم نے ہمیشہ نیک کاموں میں ہندوستان کے دوسرے شہروں سے سبقت حاصل کی ہے۔ تم نے ترکی، طرابلس

اور بلقان کے غربار کی خدمت کی ہے۔ تم نے لاکھوں روپیہ خلافت فنڈ میں دیا ہے۔ تمہاری سخاوت اور جود و عطا کے اثرات اب بھی قصر خلافت میں موجود ہیں۔

مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب اسی جامع مسجد میں ہزاروں کپڑے لوگ اُتار کر دیدیا کرتے تھے اور اسی شاہی دروازہ کی سیڑھیوں پر مولانا محمد علی مرحوم اور امام صاحب جامع مسجد اُن کپڑوں اور دیگر اشیاء کا نیلام کیا کرتے تھے۔ مجھ سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ کون سے موقع پر دہلی کے مسلمانوں نے روپیہ دینے سے انکار کیا ہے۔ تم نے ہر نیک کام میں سبقت کی ہے۔ جب تمہاری سخاوت سے ہندوستان کے باہر والے بھی محروم نہیں رہے تو یہ ہندوستان کا معاملہ ہے۔ دہلی سے آجکل بہار کیا دور ہے مفلس لئے سے بہار کا صوبہ شروع ہو جاتا ہے۔ اپنے اپنے محلوں میں ذی اثر حضرات کوئی کمیٹی بنالیں یا کمیٹی نہ بنائیں۔ کسی دن کھڑے ہو جائیں اور ہر شخص سے وصول کر کے جمعیۃ کے دفتر میں بھیجدیں۔ اگر تم بسنتوں کا روپیہ ہی اس چندے میں دیدو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

بسنتوں کیلئے ہاتھ میں طباق لیکر چندہ کرتے پھرتے ہو۔ دو دو چار چار پیسے جمع کر کے خاصی پُر رونق بسنت منا لیا کرتے ہو۔ امسال بسنتوں کو ملتوی کر دو بسنت تو ہر سال ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس قسم کے مصائب بار بار نہیں آیا کرتے۔ ایسے جنرل اور عالمگیر مصائب جنمیں اچھے بُرے کا امتیاز نہ رہے بہت کم آتے ہیں۔ اس قسم کے ابتلاء و امتحانات کا وقوع ہر روز نہیں ہوا کرتا اور بسنت کا کیا ہے بسنت تو ایک موسمی چیز ہے۔ اللہ خیر رکھے جیتے رہو گے تو اگلے سال پھر آجائے گی

دہلی کے محفوظ رہنے کا شکریہ

میرے معزز دوستو! اگر تم صرف اس نعمت کا شکریہ ادا کرو کہ خدا نے تم کو اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھا تو ادا نہیں کر سکتے۔ اگر تم اُس بلا کا صحیح تصور کر لو تو تم اپنا سارا مال دیکر بھی حضرت حق کے شکریہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ فرض کرو اگر خدا نخواستہ

وہ مصیبت یہاں نازل ہوجاتی تو آج تمہارا کیا حال ہوتا؟۔

بہرحال معاف فرمائیے۔ میں نے آپ حضرات کا بہت وقت لے لیا۔ اگرچہ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اس بحث کے اور بھی چند گوشے ہیں جو ابھی تک آپکی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تامّل نہیں ہے کہ ابھی یہ تقریر تشنہ ہے لیکن پھر کسی موقع پر انشاء اللہ العزیز تفصیل سے عرض کروں گا اسوقت تو اپنے بھائیوں کی امداد کی ضرورت ہے۔ اس میں خدا کے واسطے کوتاہی نہ کیجئے۔

واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

(۹ فروری سنہ ۱۹۳۲ء کو یہ تقریر جامع مسجد دہلی میں فرمائی)

بھوک ہڑتال پر

شرعی نقطۂ نظر سے ایک ہمہ گیر تبصرہ

حضرات! آج میرا مقصد مجلس والاں کی مسجد میں وعظ کا تھا اور جامع مسجد میں کسی تقریر کا ارادہ نہ تھا۔ کل دوپہر تک بھی میں نے تمام لوگوں سے یہی ظاہر کیا کہ میں جمعہ کے بعد اپنی مسجد میں وعظ کہوں گا۔ لیکن دوپہر کے وقت بعض دوستوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں خان عبید اللہ خان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں حالانکہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کی جانب سے اس راہ میں جس قدر اقدام کیا جاسکتا تھا وہ اس نے اپنی روایات کے مطابق کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے وائسرائے کو اور گورنر صوبہ سرحد کو تار دیئے اور ممبران اسمبلی کی خدمت میں خطوط لکھے اور ان سب کو انسانیت کا واسطہ دے کر ایک نوجوان پر رحم کھانے کی اپیل کی لیکن پرستاران اقتدار اور ریاست کے پجاریوں نے جو جواب دیئے وہ ظاہر ہے۔ اس مایوسانہ بلکہ مغرورانہ اور تکبرانہ جواب کے بعد ہم بجز اسکے کیا کر سکتے تھے کہ دعا کریں اور مزید خیالات کے اظہار سے اجتناب کریں۔ بہرحال بعض دوستوں کے اصرار پر میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور یہ وعدہ کرلیا کہ کل جامع مسجد میں ایک مفصل تقریر کروں گا۔ لیکن ڈھائی بجے تقریر شروع کرونگا اس وقت تک آپکو اگر کوئی جلسہ کرنا ہو تو کرلیجئے گا۔ جب آپ لوگ جلسے سے

فارغ ہو جائیں گے تو میں عرض کروں گا چنانچہ میں اپنے وقت پر حاضر ہو گیا۔ اور میں نے جناب صدر سے عرض کیا کہ آپ اپنی تجویز منظور کرا لیجئے۔ اور جب انہوں نے یہ تجویز منظور کرا لی اور جلسہ ختم ہو گیا تو میں حسب وعدہ حاضر ہو گیا۔ یہ ممکن تھا کہ میں اب بھی حاضر نہ ہوتا لیکن میں نے دیکھا کہ آزاد نے "ملت" اخبار میں اعلان بھی میری تقریر کا کر دیا۔ اس اعلان کو پڑھ کر میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے وعدہ کو پورا کروں۔

مطالبہ کی منظوری

معزز حاضرین! یہ حسن اتفاق ہے کہ کل تقریر کا اعلان کیا گیا اور آج صبح یہ خبر آ گئی کہ خان عبید اللہ خاں کو سیالکوٹ منتقل کر دیا گیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور واقعی خان موصوف کے مطالبہ کا کوئی جز تسلیم کر لیا گیا اور انہوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی تو جانیئے قصہ ختم ہو گیا۔ اب میرے لئے کیا موضوع ہے جس پر تقریر کی جائے ؎

سفینہ جبکہ کنارے پر آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر وہ خبریں جو اُن کے ضعف اور ناتوانی کے متعلق آ چکی ہیں صحیح ہوں تو اس وقت ان کو منتقل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ایک نیم بسمل کو ملتان کے مقتل کی بجائے سیالکوٹ کے مقتل میں بھیج دیا گیا۔ ایک قریب المرگ انسان کو آخری وقت میں سیالکوٹ بھیجنا خدا جانے کن مصالح پر مبنی ہے۔ مطالبہ بھی کس وقت پورا کیا گیا ہے جب مطالبہ کرنے والے میں چند سانس باقی رہ گئے ہیں ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

بہر حال اگرچہ کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی میں کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ کوئی صاحب مہربانی کر کے میری تقریر لکھتے جائیں۔ میں مرتب کر دوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

خان عبیداللہ خان کا تعارف

برادران ملت! ــ خان عبیداللہ خان صوبہ سرحد کا ایک ہٹیلا اور ضدی نوجوان ہے جب وہ کسی کام پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کو کر کے ہی چھوڑتا ہے خواہ اس کو کتنی ہی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ وہ عزم راسخ اور ہمت مردانہ کا مالک ہے۔ وہ دلیری و بہادری اور شجاعت کا مجسمہ اور ایثار و قربانی کا زندہ مرقع ہے۔ خان موصوف خان عبدالغفار صاحب سرحدی گاندھی کا بھتیجا ہے۔ اسکا بچپنا ناز و نعم کی آغوشِ مسرت کا تربیت یافتہ ہے۔ اس نے ایک ایسے صوبہ میں نشو و نما پائی ہے جو صوبہ نہ صرف اپنی بے مثل شجاعت اور تہور میں ضرب المثل ہے بلکہ اس صوبہ کی ضد اور ہٹ بھی مشہور ہے۔ عبیداللہ خان ایک ایسا شہسوار ہے جو میدان جنگ سے منہ موڑنا جانتا ہی نہیں۔ صوبہ سرحد میں سرخ پوش تحریک کی اُس نے ایک عرصہ تک قیادت کی ہے۔ اور اس مقدس تحریک کو نہایت منظم طریقہ سے جاری رکھا ہے۔ صوبہ سرحد میں جب دار و گیر کا سلسلہ جاری ہوا اور بے پناہ مظالم کا اعلان کیا گیا تب بھی عبیداللہ خان اور اس کی جماعت نے انتہائی اولوالعزمی کا ثبوت بہم پہنچایا اور سچ تو یہ ہے کہ صوبہ سرحد کے ان ہی بہادر نوجوانوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی ورنہ ہم نے تو مسلمانوں کے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ خان عبیداللہ خان سرخپوش تحریک میں کئی بار گرفتار ہو چکے ہیں۔ ملتان جیل میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اکثر بہت خاموش رہتے تھے۔ اور بہت زیادہ مجبور کرنے پر

صوبہ سرحد کے واقعات اور اپنی اسارت کے قصّے سنایا کرتے تھے۔ جب ہری پور جیل کے واقعات اور صوبہ سرحد کے مظالم کی داستان وہ سنایا کرتے تھے تو سننے والوں کی آنکھیں قابو سے باہر ہو جایا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جیل میں اُن کا اور ان کے ساتھیوں کا کھانا بھی ایک دفعہ میں نے پکایا تھا۔ ملتان کی آب وہوا ان کو موافق نہ تھی۔ وہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے اور اسی بنا پر جیل والوں سے ان کی اَن بَن رہا کرتی تھی۔ بڑی سعی اور کوششوں سے ان کا تبادلہ سیالکوٹ میں کیا گیا تھا۔

ملتان جیل میں واپسی مگر کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کو پھر ملتان جیل میں لوٹا دیا گیا ہے اور ان کو اس بارک میں رکھا گیا ہے جہاں دق کے مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔ یہ چیز ان کو پسند نہ آئی اور اس پر جیل والوں سے ان کا جھگڑا ہوا اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے بعض ذمہ دار آدمیوں نے ان کے ساتھ سخت کلامی بھی کی جس کی وجہ سے ان کی طبیعت پر بُرا اثر پڑا اور اُنھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ مجھ کو سیالکوٹ جیل میں منتقل کر دیا جائے اور جن آفیسروں نے مجھ سے سخت کلامی کی ہے ان کو سزا دی جائے ورنہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اگر میرے یہ دو مطالبات مان لئے جائیں تو میں کھانا کھاؤں گا اور غذا کا استعمال شروع کر دوں گا۔

ہنگر اسٹرائک حضرات! جس طرح آپ لوگ جیل سے باہر اپنے مطالبات منوانے کے لئے جلسہ کرتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ تجاویز پاس کرتے ہیں۔ ڈپوٹیشن لے جاتے ہیں۔ ضرورت کے وقت سول نافرمانی کرتے ہیں اور ان تمام باتوں سے آپ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گورنمنٹ آپ کے مطالبات منظور کرلے اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ آپکی چیخ وپکار

سے گورنمنٹ آپ کے مطالبات منظور کر لیتی ہے یا آپ سے سمجھوتہ کر لیتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے سر پر پرسٹیج کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور اپنی قوّت اور جبر و استبداد کے زور سے ایجی ٹیشن کو دبا دینے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے ۱۹۲۲ء کی تحریک سول نافرمانی کے زوال کا تماشا دیکھا کہ گورنمنٹ نے اپنی نیم مارشل لا حکومت کے زور سے سول نافرمانی کرنے والوں کو معطل کر دیا۔ ایک طرف طاقت کا اظہار اور دوسری طرف تدابیر کا استعمال اتنی بڑی تحریک کو لے ڈوبا اور باوجود تین سال کی مسلسل اور پیہم بھاگ دوڑ کے جب پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بجائے آگے بڑھنے کے میلوں پیچھے ہٹ گئے ہماری حالت اس بادبانی کشتی کی طرح ہوئی جو صورت بندر سے شبانہ روز چلنے کے بعد ساتویں دن سورت سے سو میل پیچھے نظر آتی تھی ۱۹۳۰ء میں یہ توقع تھی کہ شاید اس مرتبہ بیس سال آگے نکل جائیں گے

۱۹۳۴ء میں یہ محسوس ہوا کہ پورے پندرہ سال ہم پیچھے ہٹا دیئے گئے اس شکست کے اسباب خواہ ہماری باہمی بے اعتمادی ہو یا گورنمنٹ کی سخت گیر پالیسی اور اس کی بہترین تدبیر ہو۔ بہرحال واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

میرے عزیزو! جس طرح باہر کا ایجی ٹیشن جلسہ اور جلوس ہیں اسی طرح جیل کا ایجی ٹیشن بھوک ہڑتال ہے۔ اندرونی زندگی بیرونی زندگی سے مختلف ہے۔ وہاں کی مجبوریاں یہاں کی مجبوریوں سے زائد ہیں۔ وہاں بات بات پر کھڑی ہتھکڑی اور بیڑی اور ڈنڈا بیڑی اور ٹاٹ وردی کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس لئے جب وہاں کوئی صورت کامیاب نہیں ہوتی تو مجبوراً اپنے مطالبات منوانے کے لئے سیاسی قیدی بھوک ہڑتال کر دیا کرتے ہیں اور اس کا ایک حد تک اخلاقی اثر بھی اچھا ہوتا ہے۔ وہاں کے مطالبات اگرچہ

محدود ہوتے ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ جھگڑے نکل ہی آتے ہیں۔ مثلاً کبھی سبزی خراب آگئی، کبھی دال خراب آگئی۔ کبھی برتنوں پر جھگڑا ہو گیا۔ کبھی کپڑوں پر قضیہ نکل آیا۔ کبھی کھلنے اور بند ہونے پر قضیہ ہو گیا۔ غرض جیل والوں سے قیدیوں کا کوئی نہ کوئی جھگڑا نکلتا ہی رہتا ہے۔ اس کے فیصلے بھی ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سزائیں بھی ملتی ہیں۔ لوگ ہنگر اسٹرائک بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ آٹھ آٹھ دس دس دن بھوک ہڑتال ہوتی ہے اور آخر نرم گرم فیصلہ ہوتا ہے۔ تین دن تک میانوالی جیل میں بھوک ہڑتال کرنا مجھ کو بھی یاد ہے۔

غالباً مولانا عبدالحلیم صاحب نے بھی دہلی جیل میں چار دن تک بھوک ہڑتال کی تھی اور مفتی صاحب قبلہ نے جاکر فیصلہ کرایا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ تہذیب میں مطالبات منظور کرانے کا یہ نیا طریقہ ہے اور اگر گورنمنٹ کے پریسٹیج کا بھوت اس کو سخت نہ کر دے تو ایک کمزور قیدی کے لئے اس سے بہتر کوئی آلہ آجکل کی تہذیب میں نہیں ہے۔

کھانا ترک کر دینا بطور احتجاج کھانے کو ترک کر دینے کی رسم اگرچہ پرانی ہے۔ ہم کو اپنے بچپنے کی بات یاد ہے اور غالباً آپ کو بھی یاد ہوگا ماں باپ کو متاثر کرنے کے لئے کتنی ہی مرتبہ کھانے سے انکار کیا ہے اور شام سے پہلے پہلے اماں جان کی خدا مغفرت کرے انہوں نے مطالبہ پورا کر دیا۔ بچپنے کے مطالبات ہی کیا ہوتے ہیں کبھی پیسہ نہ ملا تو روٹھ گئے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ چھوٹا سا لیمپ لینا چاہتا تھا۔ اماں جان نے انکار کر دیا میں نے شام کو کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ ضد کٹ رات کو بارہ بجے تک جاری رہی۔ آخر رات کو بارہ بجے اماں جان نے وعدہ کیا کہ کل صبح کو تجھے لیمپ منگا دوں گی۔ دادی اماں نے وعدہ کیا اگر والدہ منگا کر نہ دیں گی تو میں تجھ کو

منگوا دوں گی۔ آخر میں نے رات کو جب کھانا کھایا تو والدہ سوئیں۔ صبح مجھ کو یہ سنکر حیرت ہوئی کہ جب تک میں نے کھانا نہیں کھالیا نہ تو والدہ نے کھانا کھایا اور نہ والد نے کھانا تناول فرمایا۔ حالانکہ والد صاحب مرحوم و مغفور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے لیکن میرے کھانا نہ کھانے کا یہ اثر تھا کہ انہوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ خیر یہ تو ماں باپ کا معاملہ ہے اس کا ذکر چھوڑ دیجئے۔ میاں بیوی کے معمولی قصوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عورتیں کئی کئی وقت کھانا نہیں کھاتیں اور اس ترک غذا کا یہ اثر ہوتا ہے کہ صنفِ نازک اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

بہرحال یہ رسم تو پرانی ہے لیکن موجودہ دور میں اس کی نوعیت بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ اور اس ہتھیار کی دھار تیز کر دی گئی ہے۔ مہذب حکومتوں کو جھکانے کے لئے یہ ہتھیار ایک حد تک مفید ثابت ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی اگر استعمار و استبداد کا بھوت ان حکومتوں کے سر پر سوار نہ ہو جائے تو یہ طریقۂ کار مفید ہوگا۔

ترکِ غذا کی حیثیت

معزز حاضرین! خان عبید اللہ خان کی سترہ روزہ ہنگر اسٹرائک نے ایک نیا سوال پیدا کر دیا ہے۔ بعض مفتیانِ دین جن کو فتویٰ دینے کا بہت شوق رہتا ہے وہ اس قسم کے ایجی ٹیشن کو خودکشی اور حرام موت ثابت کرنے کی فکر کر رہے ہیں۔ اکثر تو ان میں وہی ہیں جو سول نافرمانی کی تحریک میں جیل جانے والوں کو گنہگار اور قرآنی احکام کا مخالف بتایا کرتے تھے اور قرآن شریف کی آیت لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ سے استدلال فرما کر جیل کو تہلکہ کہتے تھے اور قید میں جانے والوں کو تارک قرآن کا خطاب عطا فرماتے تھے۔ جو

مسلمان کانگریس میں شریک تھے ان کو ہندو راج کا حامی بنا کر اور قرآن کا مخالف کہہ کر قریب الکفر کہتے تھے۔ اور مجلسِ احرار کے قیدیوں کو گنہگار اور فاسق کہا کرتے تھے۔ لیکن بعض وہ خوش فہم حضرات بھی ہیں جو اس کو واقعی خودکشی سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر عبید اللہ خان کی موت واقع ہوئی تو حرام موت ہوگی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جتندر ناتھ کی موت کے موقعہ پر ہمارے خلاف دہلی میں بڑے بڑے فتوے شائع ہو چکے ہیں۔ ان فتووں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید جتندر ناتھ نے یہ فاقہ کشی میرے کہنے سے یا مفتی صاحب کے مشورے سے کی تھی۔ حالانکہ قصور اتنا تھا کہ مفتی صاحب قبلہ نے اس کی موت پر مسلمانوں کو ہڑتال کا مشورہ دیا تھا اور میں نے اس جلسے میں تقریر کی تھی جو اس کی موت پر دہلی میں ہوا تھا۔ انتخابات پر بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے گئے تھے اور علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین کے فتووں سے دہلی کی دیواریں سیاہ کر دی گئیں اور فتوے کا مبنیٰ بھی یہ قرار دیا گیا تھا کہ خودکشی کرنے والوں کی حمایت کیسی ہے اور جو شخص حرام موت مرنے والے کی تحسین کرے اس کا کیا حکم ہے؟۔ پس یہ سوال قائم کیا گیا اور اس کے بعد جو جواب دیا گیا وہ ایسا تھا کہ شاید امام محمدؒ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو ان مفتیوں کو داد دیتے۔ کاش اگر یہ حضرات مفتی صاحب قبلہ کا پوسٹر اور میری پوری تقریر پڑھ لیتے تو ان کو اس قسم کے مہمل سوال اور لایعنی جواب کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

جتندر ناتھ داس

میرے معزز دوستو! تم میں سے اگر کسی کو میری وہ تقریر یاد ہو تو سوچئے میں نے جتندر ناتھ داس کی موت کے سلسلہ میں کہا تھا کہ خیر یہ تو ہندو ہے۔ تمہارا آج جی چاہے

وہ کہہ لو۔ رہا ہمارا معاملہ، تو ہماری فکر نہ کرو ہم تو بُرا سنتے سنتے ہر قسم کی برائی سننے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہمارے عزم راسخ کو تمہارے یہ پوسٹر متزلزل نہیں کر سکتے۔ وہ ایک صاحب کا قصہ سنا ہو گا اونٹ کے پیچھے ڈفلی بجانے لگے جب اُس نے مڑ کر نہ دیکھا تو انہوں نے زور زور سے بجائی تو اونٹ نے ہنسکر کہا "ارے بے وقوف میری پیٹھ پر ڈھول تسے بج چکے ہیں میں ان سے متاثر نہیں ہوا تو بھلا اس ڈفلی کو کیا خاطر میں لاؤں گا"۔ تو بھائیو! یہاں اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہوتے پڑے ہیں۔ اگر دو چار پوسٹر بھی کوئی شائع کر دے تو ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی برائی اور الزام باقی ہی نہیں رہا تو اب کوئی ہمارے خلاف لکھے گا بھی کیا۔ ہاں تو میں نے جتندر ناتھ کے جلسہ میں کہا تھا کہ یہ معاملہ ہندو کا ہے جو چاہو کہدو۔ لیکن اگر یہی سلسلہ جاری رہا اور کل کو کوئی مسلمان گورنمنٹ کی تغافل شعاری کا شکار ہو گیا تو اسوقت ان حضرات کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ اگر جتندر حلال موت بھی مرتا تو کونسا جنت میں داخل ہو جاتا۔ لیکن اگر گورنمنٹ نے کسی کلمہ گو کو اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا تو اس وقت لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ آج سوئے اتفاق سے یہی معاملہ درپیش ہے کہ ایک نوجوان مسلمان بستر مرگ پر ہے۔ گورنمنٹ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ نوجوان مر گیا تو کون کون سے بزرگ اسکو دوزخ میں بھیجنے کی گارنٹی لینے پر تیار ہوتے ہیں۔

میرے دوستو۔ یہ خان عبید اللہ خان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل سوال ہے۔ آج کو عبید اللہ خان ہے۔ کل کو کوئی عبداللہ خان ہے اگر ملک اسی طرح آگے بڑھتا رہا اور نوجوانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی رہی تو گورنمنٹ کو جو کچھ کرنا ہے وہ کرے گی کیونکہ اسے اس ملک پر قبضہ رکھنا ایسا ہی ضروری ہے

جیسا کہ ہم کو اُسے آزاد کرانا ضروری ہے۔ اگر یہ سلسلہ اور کشمکش جاری رہی اور کوئی خود دار جیل میں جاکر نہ دبا اور اس نے فاقہ کشی شروع کر دی اور گورنمنٹ پر سٹیج کو لے بیٹھی اور کسی مسلمان کو جان سے مار دیا تو اس وقت ہماری حیثیت کیا ہوگی۔ اسلئے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے دیکھو مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو ایک شخص گورنمنٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتا ہے۔ گورنمنٹ انکار کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے میرا مطالبہ پورا نہیں کرو گے تو میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ گورنمنٹ اس کی بات جو قانوناً اور شرعاً اور اخلاقاً جائز ہے نہیں مانتی وہ کہتا ہے اگر میری بات مان لی جائے تو میں ابھی کھانا کھا لیتا ہوں۔ میرا کھانا مطالبے کی منظوری پر موقوف ہے۔ گورنمنٹ اپنی ضد پر قائم رہتی ہے۔ وہ کھانا نہیں کھاتا۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے۔ تم کہتے ہو اس نے خودکشی کی اور یہ حرام موت مرا۔ میں کہتا ہوں وہ خودکشی نہیں ہے۔ اس کا فعل حرام نہیں ہے۔

خودکشی کی حقیقت اور اس کی حرمت

میرے معزز دوستو! اس میں شک نہیں کہ خودکشی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور یہ اسلام کا دُنیا پر احسان ہے کہ اس نے یہ بتایا کہ اپنی جان کی حفاظت بھی اُسی طرح فرض ہے جس طرح کسی دوسرے بے گناہ انسان کی جان بچانا فرض ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا کے عقلاء نے یہ مسئلہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہی سیکھا ہے۔ جہاں اور ہزاروں باتیں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے لی گئی ہیں۔ وہاں اس مسئلہ میں بھی دنیا ہماری ہی تعلیم کی مرہون منت ہے ورنہ آج تک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ اپنی جان بھی اس قابل ہے

اس کا اتلاف جرم قرار دیا جائے۔ خودکشی کے متعلق جہاں قرآن شریف کا تعلق ہے اس کی حرمت پر دو آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ایک وہی وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ اور دوسری لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ پہلی آیت کے متعلق خود ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان اتنا صاف ہے کہ اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اور اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آیت کا تعلق ترک جہاد اور ترک انفاق فی سبیل اللہ سے ہے۔ خود رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت حذیفہ، حسن بصری، مجاہد اور ضحاک اور براء بن عازب رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین کا قول ہے کہ سب سے بڑا تہلکہ تو ارتکاب معاصی ہے حضرت عبیدۃ السلمانی بھی یہی فرماتے ہیں۔ رہی دوسری آیت تو اگرچہ اسمیں بھی یہ احتمال ہے کہ وحدت اسلامی کی بنا پر ہر دوسرے مسلمان کے نفس کو اپنے نفس سے تعبیر کیا گیا ہو اور نہی کا مطلب یہ ہو کہ آپس میں قتال نہ کرو اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو لیکن تو حضرت عمر بن خطاب اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے جو معنی منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر حضرات نے اس آیت کا مفہوم خودکشی سمجھا اور سخت سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کر لیا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو ان دونوں نے آیت لا تقتلوا انفسکم سے استدلال کیا۔ حضورؐ نے غالباً حضرت عمر کے واقعہ پر ضحک فرمایا اور عمرو بن العاص کے موقع پر سکوت فرمایا۔ بہر حال جہاں تک قرآن کا تعلق ہے خودکشی کی حرمت کے لئے ان آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے اور جہاں تک احادیث رسول اللہ کا تعلق ہے ان میں خودکشی کی انواع کا تذکرہ ضرور ہے لیکن ان میں فاقہ کشی کی موت کا ذکر نہیں ہے بلکہ زہر کا ذکر ہے یا کسی دھار والی چیز کا ذکر ہے، چھری کا ذکر ہے۔ اور ثابت بن ضحاک

کی روایات میں من قتل نفسہ بشئی ء کا ذکر ہے۔ آیت و حدیث کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور معمولی سمجھ دار بھی سمجھ لیتا ہے کہ فاقہ کشی انواع مذکورہ میں سے کسی نوع میں داخل نہیں ہے۔ عبید اللہ خان اپنے کو چھری یا پستول سے قتل نہیں کر رہا ہے نہ کسی دھار دار چیز سے قتل کر رہا ہے بلکہ اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ جس کا انجام ممکن ہے موت ہو جائے۔ اگرچہ اکل و شرب حکماء اور اطباء کے نزدیک ایک ستہ ضروریہ میں سے ہیں۔ لیکن آج ہی حکیم جمیل الدین صاحب فرما رہے تھے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ بارہ سال تک انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ پھر کھانا بھی عبید اللہ خان نے یہ کہہ کر نہیں چھوڑا کہ میں مرنا چاہتا ہوں بلکہ وہ کہتا ہے اگر میری بات مان لی جائے تو میں ابھی کھانا کھاتا ہوں۔ آپ ہی بتائیے کیا اسکو خودکشی کہا جا سکتا ہے۔ کیا تمہیں ان دونوں باتوں میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوا؟۔ زہر پینے والے کا منشا اور مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ میں مرجاؤں اور ہنگر اسٹرائک والے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ میں مرجاؤں بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میری بات رکھ لی جائے۔

خودکشی کی اقسام

میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم خودکشی کو عام کرنا چاہتے ہو۔ خواہ مرنے والے کا فعل ہو یا نہ ہو۔ میں تو کہتا ہوں جو اقسام احادیث میں مذکور ہیں اُن ہی میں خودکشی کو منحصر رکھو ورنہ اگر تم نے قیاس کیا تو اہلِ حدیث خفا ہو جائیں گے۔ اور اگر تم کو ایسا ہی شوق ہے کہ مسلمانوں کی مَوت پر حرام مَوت کا فتویٰ لگاؤ تو زیادہ سے زیادہ کنوئیں میں گر کر، آگ میں جلکر، پستول مار کر، بندوق یا سنگین مار کر، افیون کھا کر مرنے والوں کی مَوت کو حرام مَوت کہہ دو۔ لیکن تم کو ضد ہے تم ہر اُس شخص کی مَوت کو حرام مَوت کہنا چاہتے ہو جو زندہ رہ سکتا ہو اور کسی نہ کسی طرح بچ سکتا ہو

لیکن زندہ رہنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے کو نہ بچائے بلکہ مر جائے تو وہ حرام موت ہوگی۔ بہت اچھا اگر یہی مطلب ہے تو آپ گنتے جائیے اور جواب دیتے جائیے۔

(۱) ایک مسلمان کو۔۔ کوئی کافر بادشاہ سؤر کا گوشت کھانے یا شراب پینے پر مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا تو ان اشیاء کا استعمال کرو ورنہ میں تم کو قتل کر دونگا یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر میں ان چیزوں کا استعمال کرلوں تو میری جان بچ جائے گی۔ لیکن وہ استعمال نہیں کرتا اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ بتاؤ یہ حرام موت ہوگی یا حلال موت ؟۔

(۲) ایک محرم جس نے احرام باندھا ہے اسکو شکار پر مجبور کیا جاتا ہے وہ شکار نہیں کرتا اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ بتاؤ یہ موت کیسی ہے ؟۔

(۳) ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے قتل پر مجبور کیا جائے کہ اس مسلمان کو قتل کرو ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کرتا اور خود قتل ہو جاتا ہے بتاؤ، حرام موت ہے یا حلال موت ؟۔

(۴) کافر ذی اختیار ایک مسلمان کو فرض نماز ادا کرنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز پڑھی تو جان سے مار ڈالوں گا لیکن یہ مسلمان قتل ہونا گوارا کرتا ہے اور نماز نہیں ترک کرتا۔ بتاؤ یہ مقتول خودکشی کا مرتکب ہے یا نہیں ؟۔

(۵) ایک ظالم کسی مسلمان کو حق جل مجدہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی پر مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے۔ میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ مسلمان قتل کو اختیار کرتا ہے لیکن اللہ جل شانہٗ کی شان اقدس میں گستاخی برداشت نہیں کرتا بتاؤ اس مسلمان کی موت کا کیا حکم ہے ؟۔

(۶) ایک تنہا مسلمان ہزار کافروں پر یہ جانتے ہوئے حملہ کرتا ہے کہ میں شہید

کر دیا جاؤں گا۔ لوگ اسے سمجھاتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کو تلف کرتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اگرچہ میری جان جائے گی لیکن کفار پر مسلمانوں کی ہیبت تو بیٹھ جائیگی اور مسلمانوں کی دھاک تو قائم ہو جائے گی اور کچھ نہ ہوگا مگر مسلمانوں میں جرأت اور بہادری تو پیدا ہوگی۔ میرے مرنے سے مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ نفع تو پہنچے گا۔ اور کچھ نہ ہوگا تو میں مرتے مرتے بھی دشمنوں کو کچھ نہ کچھ نقصان تو پہنچا دوں گا۔ یہ کہہ کر دشمن کی ایک ہزار فوج پر جا گرتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ اب بتاؤ اس مرنیوالے کا کیا حکم ہے۔ لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اس پر صادق ہے یا نہیں۔ یہ مسلمان جنتی ہے یا دوزخی؟

(۷) اچھا اخرم اسدی کو جانتے ہو جن کا نام محرز بن نضلہ ہے اور حضرت ابو قتادہ کی طرح فارس رسول اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے اور جو ۶ھ میں غزوۂ ذی قرد میں کافروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ غزوۂ ذی قرد جس میں کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کر لے گئے تھے۔ اور سلمہ بن الاکوع ان چوروں کے تعاقب میں گئے تھے۔ اونٹوں کو لوٹنے والے کافروں کا سردار عبدالرحمٰن بن عیینہ تھا حضرت ابوذر ان اونٹوں کو جن کی تعداد تقریباً بیس ۲۰ ہوگی غابہ میں چرا رہے تھے کہ عبدالرحمٰن نے حملہ کیا اور اونٹنیاں لے کر بھاگ گیا۔ چنانچہ سلمہ بن الاکوع نے خبر پاتے ہی ان کا تعاقب کیا۔ میاں تم سلمہ کو بھی جانتے ہو یہ بھاگنے میں ایسے مشاق تھے کہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو راستے میں جا لیا۔ سلمہ بن الاکوع کے پیچھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے۔ حضور ص کے ساتھیوں میں اخرم اسدی بھی تھے وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سب سے پہلے سلمہ بن الاکوع کے پاس جا پہنچے اور کہا بتاؤ عبدالرحمان اور اسکے ساتھی کہاں ہیں۔ سلمہ نے اشارے سے بتایا کہ وہ جا رہے ہیں۔ اخرم نے

چاہا کہ جھپٹ کر حملہ کر دیں مگر سلمہ نے کہا۔ ذرا ٹھہر جاؤ یہ لوگ اب ہم سے بھاگ نہیں جا سکتے۔ حضور ؐ کو آجانے دو۔ اگر تم تنہا گئے تو یہ لوگ تم کو مار ڈالیں گے لیکن اخرم نے کہا۔ سلمہ مجھ کو چھوڑ دے۔ میرے اور میری شہادت کے مابین حائل نہ ہو۔ سلمہ نے یہ سن کر ان کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ تنہا عبدالرحمٰن بن عیینہ کی جماعت پر جا پڑے اور عبدالرحمٰن بن عیینہ کے یا سعدہ بن حکم کے کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔

اب مہربانی فرما کر یہ بتلایئے کہ آپ کے نزدیک محرز بن نفلہ کا یہ فعل کیسا ہے اور اس صحابی رسول اللہ بلکہ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قتل حرام موت ہے یا حلال موت ہے یا شہادت ہے کیونکہ انہوں نے باوجود اپنے قتل کے یقین و اذعان کے یہ پیش قدمی کی تھی جیسا کہ ان کے خود الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

(۸) اچھا صاحب ایک واقعہ اور سن لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کو ایک دفعہ کلب روم نے گرفتار کر لیا اور ان کو قید میں رکھ کر ان کے سامنے لحم خنزیر اور شراب رکھی گئی۔ چالیس دن تک انہیں کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا اور صرف لحم خنزیر ہی پیش کیا گیا۔ لیکن انہوں نے توجہ بھی نہ کی چالیس دن کے بعد کلب روم نے ان سے دریافت کیا کہ تمہاری شریعت میں تو یہ چیزیں مخمصہ کی حالت میں جائز ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ہاں جائز ہیں۔ اس نے دریافت کیا پھر تم نے کیوں نہیں کھایا۔ انہوں نے جواب دیا میں کھانا چاہتا تو کھا سکتا تھا۔ لیکن میرے کھانے سے تجھ کو خوشی ہوتی اور میں تجھ کو جلانا چاہتا تھا اور تجھ کو غیظ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ اب فرمایئے جناب کی اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا رائے ہے۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ کسی

مسلمان کی موت کو جبکہ وہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سسک سسک کر جان دے رہا ہو حرام موت کہنا آسان نہیں ہے۔

ایک بات تو بتاؤ

خودکشی یا فاقہ کشی کے متعلق جو کچھ مجھے کہنا ہے بعد میں کہوں گا۔ ایک بات تو بتاؤ۔ خان عبید اللہ خان اگر فاقہ کرتے کرتے مر جائے تو وہ حرام موت مرے گا؟ لیکن جو حکومت اس کا معمولی مطالبہ منظور نہ کرے اور اس کو مرنے پر مجبور کر دے اس کا کیا حکم ہے اور خدا اور اس کے رسول کے نزدیک ایسی حکومت کس برتاؤ کی مستحق ہے۔ جتندر ناتھ اور خان عبید اللہ کے خلاف فتویٰ دینے والے حکومت کے متعلق بھی کوئی فتویٰ دینے کو تیار ہیں؟ ارے میاں مرنے والوں کے متعلق لب کشائی کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ زندوں کے متعلق رائے کا اظہار کرو تاکہ تم کو شاید توبہ نصیب ہو جائے۔ مرنے والے پر تمہارا فتویٰ کیا اثر انداز ہوگا پہلے زندوں کا تو فیصلہ کرو۔

خودکشی حرام ہے

برادرانِ ملت! جس طرح آپ کے نزدیک خودکشی حرام ہے اسی طرح میرے نزدیک بھی خودکشی حرام ہے۔ بحث اس میں نہیں ہے کہ خودکشی حلال ہے یا حرام ہے بلکہ بحث اس میں ہے کہ جیل میں فاقہ کشی کرتے کرتے مر جاؤ تو یہ خودکشی ہوگی یا نہیں۔ اچھا ایک منٹ میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ فاقہ کشی سے مرنا خودکشی ہے اور خودکشی حرام ہے لیکن کیا اسلام میں کچھ ایسے اصول بھی ہیں کہ جن کی رو سے کسی وقت حرام جائز ہو جائے اور حرام نہ رہے۔ مثلاً لحم خنزیر، لحم میتہ قطعی حرام ہے۔ تو کیا کسی وقت ان چیزوں کا کھانا جائز ہو سکتا ہے۔ بتاؤ مخمصہ کی حالت میں اکل میتہ کو کیا حکم ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرنا یا لاحول تک کفر ہے۔ لیکن کسی نے جان کا ڈر [illegible]

کو قتل کرنے کی مصلحت سے محمد بن سلمہ کو اجازت دی گئی یا نہیں کیا آپ کے نزدیک کوئی مصلحت اس امر کی متقاضی نہیں کہ یہ خودکشی شہادت نہ ہو تو کم از کم گناہ اور اثم ہونے سے نکل جائے۔

مغائظت عدو اور نکایت دشمن

آپ کے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان سور کا گوشت کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل کی دھمکی دی جائے تو اس کو جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے ان اشیاء کا استعمال کرے اگر استعمال نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو گنہگار ہوگا لیکن اگر اس کی نیت یہ ہو کہ لحم خنزیر نہ کھانے اور شراب کے نہ پینے سے دشمن جلے گا اور دین کے اعدا مغائظت میں مبتلا ہوں گے۔ اس نیت سے نہ کھایا اور موت کو ترجیح دی تو گنہگار نہ ہوگا۔

حضرت جصاص رازی احکام القرآن میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان تنہا ایک ہزار کافروں پر حملہ کر دے اور اس کی نیت یہ ہو کہ میرے اس فعل سے دشمن کو کوئی تکلیف پہنچ جائے گی یا مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچ جائے گا یا مسلمانوں میں کوئی جرأت پیدا ہوگی یا دشمنوں پر ہیبت قائم ہو جائے گی اس نیت سے اگر حملہ کرنے والا مر جائے گا تو اجر کا مستحق ہوگا اس امر کی بھی تصریح موجود ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے نفع یا نکایت عدو یا مغائظت کفار کی نیت سے ایک مسلمان کا تنہا ہزار آدمیوں پر حملہ آور ہو کر جان دے دینا لاتلقوا بایدیکم اور لاتقتلوا انفسکم میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ اتلاف نفس موجب اجر ہے۔ اسی طرح حق جل مجدہٗ کی شان میں گستاخی سے رکنے والا اور جان دے دینے والا بھی مستحق اجر ہے......یعنی کلمۃ الکفر کو زبان

سے جاری نہ کرے بلکہ جان دے دے تو مستحق اجر ہے۔ اگرچہ اجراء کلمۃ الکفر مرخص تھا بشرطیکہ قلب مطمئن ہوتا۔ لیکن بایں ہمہ کوئی مسلمان رخصت پر عمل نہ کرے بلکہ عزیمت پر عمل کرے تو اس کو اجر ملے گا اور یہی حکم ہے ان تمام حقوق کا جو حضرت حق کی طرف سے بندے پر فرض ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز سے کسی ظالم کا روکنا، زبردستی روزہ افطار کرانا، حرم میں یا حالت احرام میں شکار کرنے پر مجبور کرنا یا کسی مسلمان کو مسلمان کے قتل کرنے پر مجبور کرنا غرضیکہ ان ملت پہ تمام شکلیں وہ ہیں کہ جن میں اگر انسان اپنی جان بچانا چاہے تو اپنی جان بچا سکتا ہے۔ لیکن نہیں بچاتا بلکہ جان دے دیتا ہے تو بعض صورتوں میں ماجور ہوتا ہے اور بعض میں گنہگار نہیں ہوتا۔ اور لاباس بہ کے تحت میں داخل ہوتا ہے۔ ان تصریحات و توضیحات کے بعد بھی کیا آنکھ بند کر کے خان عبید اللہ خان کو خودکشی کا مرتکب کہا جا سکتا ہے۔ میں مانتا ہوں اگر عبید اللہ خان کی موت کو حرام موت کہا گیا اور خودکشی کے فتووں کا زور باندھا گیا تو حکومت اور ریزہ چینان حکومت خوش ہو جائیں گے اور ممکن ہے کسی خوش قسمت کو شمس العلماء کا خطاب بھی مل جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ جل شانہ کی رضامندی ہر چیز پر مقدم ہے۔ قیامت میں ایک مظلوم مسلمان کی جان کا معاملہ پیش ہونے والا ہے اور صرف ایک ہی مسلمان نہیں اگر گورنمنٹ برطانیہ کی غفلت شعاریوں کا یہی حال رہا تو نہ معلوم کتنے فاقہ کش آزادی وطن کی دیوی پر بھینٹ چڑھنے والے ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔

میں عرض کرتا ہوں اور خدا کے فضل سے ببانگ دہل کہتا ہوں کہ اگر عبید اللہ خان کی نیت مناظنت عدو ہے یا وہ یہ سمجھ کر جان دے رہا ہے کہ ہندوستان کے نوجوانوں میں عموماً اور صوبہ سرحد کے نوجوان مسلمانوں میں

خصوصاً زندگی، جرأت، شجاعت اور بہادری پیدا ہو جائے گی اور مہرے
مر جانے سے بہت سے مسلمانوں کو نفع پہنچ جائے گا تو کوئی سمجھدار اور ذی علم
اس کو گنہگار نہیں کہہ سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کو شہید نہ کہا جائے
یا استحقاقِ اجر کی نفی کی جائے لیکن اس کو گنہگار یا خودکشی کا مرتکب نہیں کہا
جا سکتا۔ میرا روئے سخن اہل علم سے ہے جہلا اور جاہل واعظوں سے میں بحث
نہیں کرتا جن کو عوام اپنی جہالت کے باعث عالم سمجھتے ہیں۔ عوام کے نزدیک
تو علم کا معیار ہی عجیب ہے۔ یہ تو ہر خوش گلو واعظ کو عالم اور مفتی سمجھتے ہیں۔
اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان اس روشنی کے زمانہ میں ایک انچ بھی نہ بڑھ سکے۔
جب تک یہ جاہل واعظان مسلمانوں پر مسلط ہیں میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ
مسلمان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔

مستحق اجر یا بیگناہ

میرا مطلب پھر سمجھ لیجئے تا کہ آپ کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور
آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ میں کیا کہتا ہوں کچھ سمجھتے ہو۔ اگر خان..
عبید اللہ خان کی یہ فاقہ کشی موت پر منتج ہوئی اور گورنمنٹ نے اپنی ضد اور ہٹ
سے ایک نوجوان مسلمان کی زندگی کو ختم کر دیا تو اس کو خودکشی کا مجرم یا حرام موت
کا مرتکب نہیں کہہ سکتے۔ مرنیوالے کی نیت اگر مغائظت عدو ہے تو لا یأتسنہ
کے تحت میں ہے۔ اور اگر مسلمانوں کا نفع مقصود ہے تو مستحق اجر ہے میرے
الفاظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ کل اس کے ساتھ ہمدردی کی گئی یا مسلمانو
نے اس کے ماتم میں ہڑتال کی اور تم نے فتوے شائع کرنے شروع کر دیئے۔
کیونکہ تم کو غلط فتوے شائع کرنے کی بیماری ہے۔ تم اس امر کا انتظار کرتے رہتے
ہو کہ کوئی چیز ہاتھ لگے اور تم جھٹ پٹ کوئی فتویٰ دہلی کی دیواروں پر لگا دو تو یہ

فتویٰ بازی سخت تکلیف دہ ہوگی۔

ہمدردی بہرحال ضروری ہے

اب میں ایک اور بات عرض کرتا ہوں۔ فرض کیجئے آپ کے نزدیک وہ گنہگار ہی ہو اور اس کی موت حرام موت ہی ہو تب بھی اس کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ اس کے لئے ہڑتال کرنے سے جناب کا دل کیوں دُکھتا ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے آپ کی جان کیوں نکلتی ہے۔ مان لیجئے وہ گنہگار ہی سہی لیکن زیادہ سے زیادہ خودکشی کرنے والا فاسق ہوگا تو کیا فاسق مستحق ہمدردی یا مستحق دعا نہیں ہے؟"

جنرل نادر خاں کی موت

جب جنرل نادر خاں کی موت پر جامع مسجد میں مسلمانوں نے دُعا کرنے پر اعتراض کیا اور دعائے مغفرت پر متعرض ہوئے تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو خدائے تعالےٰ خوش رکھے اُنہوں نے اس واقعہ کو سُنکر فرمایا میں جلسہ میں نہیں تھا ورنہ مسلمانوں سے کہتا بھائی جو کچھ تم کہتے ہو میں مانتا ہوں کہ جنرل نادر خان کیسا ہی گنہگار سہی لیکن دعائے مغفرت کا مستحق تو گنہگار ہی ہوتا ہے۔ ایک طرف جنرل نادر خاں کو گنہگار بھی کہتے ہو اور دوسری طرف اس کے حق میں دعا کرنے سے بھی انکار کرتے ہو۔ اگر وہ گنہ گار تھا تو بہت زیادہ دعا کا مستحق ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اور اگر میرے دلائل وشواہد کافی نہیں ہیں اور تم کو یہی شوق ہے اور عبیداللہ خان جیسے پیکر ایثار وقربانی کو تم خودکشی اور حرام موت کا الزام لگا کر گنہگار ہی بنانا چاہتے ہو تب بھی اس کی ہمدردی سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسکے مرنے پر عام ہڑتال کرنا جلسہ کرنا، اسکے لئے دعاء مغفرت کرنا یہ تو وہ چیز ہے جو

ہر بُرے سے بڑے آدمی کے لئے کی جا سکتی ہے چہ جائیکہ عبید اللہ خان جیسے جواں مرگ کے لئے۔

نوجوانوں کی قدر کرو!

صاحبو! میں کہا کرتا ہوں کہ ان نوجوانوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ ہم تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ اگر ان نوجوانوں کو صحیح راستہ پر لگا دیا جائے تو یہ قوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ بڈھے اونچ نیچ کو سوچتے رہتے ہیں۔ اور نوجوان منزل مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔ افسوس اس کا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو غلط راستے پر لگایا جا رہا ہے۔ ہم جیسے کمزور اور بزدل بڈھے نوجوانوں کو بھی سرکار پرستی اور وطن فروشی کا سبق دے رہے ہیں جو دوسروں کو زندہ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو غیروں کے سہارے جینا سکھا رہے ہیں۔ خود تو نہ ہم کو غیرت ہے اور نہ ہمت ہے نہ حیا ہے نہ شرم ہے لیکن نوجوانوں کی رگوں میں زندہ اور حیادار خون ہے۔ ان کو تو فنا کرنے سے اجتناب کرو۔

کعب بن اشرف کا واقعہ

آپ کو یاد ہو گا میں نے ابھی کعب بن اشرف کا آپ کے سامنے ذکر کیا تھا۔ یہ خبیث انتہائی بد زبان تھا۔ کفارِ مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ اُبھارا کرتا تھا۔ باوجود اس کے کہ خود یہودی تھا۔ لیکن مسلمانوں کے حسد کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف قریش سے سنگھٹن کر رہا تھا۔ حتی کہ...... ابوسفیان نے جب ایک دن اس سے دریافت کیا کہ صاحب ہم تو اُمّی اور بے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ تم تو اہل کتاب بھی ہو اور تعلیم یافتہ بھی ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا یہ محمد بن عبد اللہ حق پر ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) کعب بن اشرف نے پوچھا تمہارا عقیدہ کیا ہے؟۔ ابوسفیان نے کہا ہم لوگ بیت اللہ کی خدمت

کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ آپس میں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یہ شخص ہمارے
باپ دادا کے دین کے خلاف لکچر دیتا پھرتا ہے اور کہتا ہے صرف ایک معبود کو پوجو۔ باقی
معبودوں کا کھنڈن کر دو۔ آپ بتائیے ہم دونوں میں کون حق پر ہے۔ کعب بن اشرف
نے کہا صاحب بات تو یہ ہے کہ تم سب سے زیادہ سیدھی راہ پر ہو۔" وَيَقُولُونَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا " اب سمجھ لیجئے
کتمانِ حق کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ کے پیغمبر ہیں اور حق پر ہیں۔ محض کفار قریش کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے
ابوسفیان سے کہدیا کہ تم ہی سیدھی راہ پر ہو۔

بہرحال جب اس خبیث کی ریشہ دوانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو
ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا
من للکعب بن الاشرف بس حضورؐ کے اتنا فرماتے ہی ایک نوجوان کا خون جوش
میں آگیا۔ اس نوجوان کا نام محمد بن مسلمہ تھا اس نے فوراً کہا انا لہٗ یارسول اللہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کی اس ہمت کو ایک صحیح جذبہ خیال فرمایا
اور سوچا کہ مبادا کہیں یہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جو سیاسی نقطۂ نگاہ سے غلط ہو
حضورؐ نے فرمایا جلدی نہ کرو بلکہ اے محمد بن مسلمہ پہلے سعد بن معاذ سے مشورہ
کر لو۔ پھر بھی اس نوجوان کے جذبۂ اسلامی کی یہ حالت تھی کہ تین دن تک نہ کچھ
کھایا اور نہ کچھ پیا گویا سچ مچ کی ہنگر اسٹرائک کر دی۔ جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو
آپ نے دریافت کیا محمد بن مسلمہ تم نے کھانا پینا کیوں ترک کر دیا؟ محمد بن مسلمہ نے عرض
کیا کہ آپ سے ایک بات کہی ہے اور ایک وعدہ کیا ہے۔ خدا جانے وہ وعدہ پورا ہوتا ہے
یا نہیں اور میں کعب بن اشرف کے قتل میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں یعنی اس فکر
میں کھانا پینا ترک ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تمہارا کام کوشش کا ہے۔

بہرحال اس نوجوان کی علوِ ہمتی قابلِ صد آفرین ہے کہ سب سے پہلے اسکی آواز نکلی اور تعمیلِ حکم کا شوق اس قدر دامنگیر ہوا کہ کھانا پینا بھی چھوڑا۔ سعد بن معاذ رضؓ سے مشورہ کرنے کے بعد اور چند حضرات محمد بن مسلمہ کے شریک کار بنائے گئے اور سب سے مزے دار بات تو یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ حضورؐ ہمکو کچھ کہنا بھی پڑے گا ورنہ کعب بن اشرف ہمارا یقین نہ کرے گا تو اس کے جواب میں حضورؐ نے جو کچھ فرمایا۔۔ وہ یہ تھا کہ قولوا ما بدا لکم اب فرمائیے اب تو حرام بھی بعض مصالح کے اعتبار سے جائز ہو گیا۔ بعد میں جو کچھ ہوا اس کا یہ موقع نہیں ہے پھر کبھی عرض کروں گا۔ نوجوان کی ہمت سے اگر کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہو تو اُٹھاؤ عقل بڑھیا کی لو اور ہمت نوجوانوں سے لو۔ دونوں کو ملا کر کھچڑی پکا سکتے ہو تو پکا لو۔ کھچڑی نہ بھی پکی تو کچھ دال دلیا ہو ہی رہے گا۔

ہجرت کا واقعہ

اچھا ایک اور نوجوان کا قصہ سنو۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں جب انصار ایک گھاٹی میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا تو عباس بن عبد المطلب نے یا عباس بن عبادہ انصاری نے یا دونوں نے ایک مختصر تقریر کی اور اس میں بیعت کرنیوالوں کو توجہ دلائی کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ عباس بن عبد المطلب اگرچہ ابھی تک مسلمان بھی نہ ہوئے تھے لیکن انھوں نے کہا: مدینہ والو! تم ایک شخص کو اپنی بستی سے جہاں ان کے رشتہ دار اور قرابت دار موجود ہیں۔ اپنے شہر میں لیجا رہے ہو تو پہلے غور کر لو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کر سکو گے؟ عباس بن عبادہ نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دعوت دے رہے ہو۔ تم دنیا کی ہر سرخ و سیاہ قوموں سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ بیعت کرنے سے پہلے سوچ لو کس بات پر بیعت کر رہے ہو۔ کیا تم تمام

دُنیا سے لڑائی مول لینے کو تیار رہو؟ ابھی یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ ایک نوجوان نے کہا ہم نے تمام باتوں پر غور کر لیا ہے۔ جب تک مدینہ کا ایک ایک بچہ ان پر قربان نہ ہو جائے گا۔ ان کی طرف کوئی نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس نوجوان کی اس ولولہ انگیز تقریر نے سب کو مطمئن کر دیا اور لوگوں نے بیعت شروع کر دی۔

برادرانِ ملت! میں عرض کرتا ہوں کہ قوم کے نوجوان ہی اُس قوم کی رُوح ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ آج میری تقریر کا موضوع صرف عبیداللہ خان کی ذات تھی اور وعظ کہنے کا ارادہ نہ تھا لیکن اتفاق دیکھئے کہ وعظ بھی ہو گیا اور وہ تو جب جائز ناجائز کا قصہ شروع ہوا اور وعظ شروع ہوا۔ آپ کہیں گے۔ اگر موضوع کے خلاف کوئی بات ہو تو تقریر ٹوڈی پائنٹ نہیں رہتی۔ تو بھائی یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے۔ مولویوں کی تقریر تو ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ بہرحال جب ٹوڈی پائنٹ نہیں تو لاؤ ایک حدیث اور سنا دوں۔ اگر محلے والوں کی مسجد میں وعظ کہتا تو وہاں وہ حدیث بیان کرتا لیکن آج یہاں وعظ ہو گیا تو لاؤ یہیں سنا دوں۔

ابی کبشۃ الانماری سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن پر میں قسم کھاتا ہوں یعنی وہ تین باتیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم ہو جاتا ہے۔ لیکن حضور فرماتے ہیں کہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ سے چندہ طلب کیا جانے والا ہے کیونکہ آپ چندہ سے بہت گھبراتے ہیں۔ میں آپکو اطمینان دلاتا ہوں کہ کوئی چندہ نہیں طلب کیا جائے گا۔ دوسری بات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ تھی جس شخص پر ظلم کیا گیا اور اُس نے ظلم پر صبر کیا تو اللہ تعالےٰ اس کی عزت بلند کر دیتا ہے۔ صاحبو! مصیبت پر صبر ایک ایسا مرتبہ ہے جس کو عزمِ اُمور

سے فرمایا ہے وہ سورۂ لقمان میں فرمایا ہے۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

بہر حال تیسری چیز یہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے سوال کا دروازہ کھولا تو اللہ تعالیٰ اُس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ یعنی اپنی حاجت کا تذکرہ کر کے سوال کرنا اور سوال کے لئے دست دراز کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان پر فقر اور تنگی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ابھی بہت کچھ کہنا تھا لیکن اس وقت تو اس صحبت کو ملتوی کیجئے اور زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ پھر کسی موقع پر عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

یہ تقریر جامع مسجد دہلی میں فرمائی

۲۰ر اپریل ۱۹۳۲ء

محمد علیؒ ہمارا تھا

اور

ہم محمد علیؒ کے ہیں!

حضرات! اخبار میں اعلان کیا گیا تھا کہ آج قرآن شریف ختم ہونے کے بعد مولانا محمد علی اور شہدائے پشاور کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اس وقت گیارہ بج چکے ہیں اور مجھ سے بیشتر مولانا محمد علی صاحبؒ کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ قلتِ وقت کے اعتبار سے کافی ہے اگرچہ مولانا محمد علی کی زندگی اور اُن کی خدمات کے اعتبار سے وہ بہت کم ہے مولانا کی خدمات کا اگر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔
میں سمجھتا ہوں کہ حکیم اجمل خان صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد مسلم قوم کو یہ دوسرا دھکا لگا ہے اور ایک ایسا ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچا ہے جسکا اندمال مستقبلِ قریب میں ہوتا نہیں معلوم ہوتا۔

یہ امر مسلّم ہے کہ کسی فرد کی موت اُمّت مسلمہ یا اسلام کی موت نہیں ہو سکتی ...... دُنیا کے کام چلتے ہیں۔ مولانا محمد علی کی وفات کے بعد بھی چلتے رہیں گے لیکن مولانا محمد علی کی جرأت و شجاعت و ذہانت و حق گوئی کے لئے مسلمانوں کو مدّتوں رونا پڑے گا۔

میرے عزیزو! میں اس وقت کسی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ اس مختصر وقت میں صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں

سر سیّد کی پالیسی

آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ ہندوستان نے ۱۸۵۷ء میں آزادی کے لئے ایک لڑائی لڑی تھی جس جنگ کا نام آخر میں غدر رکھا گیا۔ ہمارے نقطۂ نگاہ سے وہ جنگ آزادی کی جنگ تھی۔ اگرچہ وہ ناکام رہی اور اس کی ناکامی کا سہرا بھی اُس وقت کے غدارو کے ہی سر رہا۔ اگر اُس وقت بارود کی جگہ باجرے کی سیاہ رنگی ہوئی تھیلیاں نہ دی جاتیں تو آپ کے مشہور گولہ انداز کالیخاں کو شکست نہ ہوتی۔ لیکن آپ جانتے ہیں۔ اسی لال قلعہ کے سلیم گڑھ پر آپ کے وفادار نشانچی کو کس طرح دھوکہ دیا گیا اور اُس کی تمناؤں کا کس بیدردی کے ساتھ خون کیا گیا۔

میرے عزیزو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اُس زمانے کے غدار ابتک نمک حرام مشہور ہیں اور اُن کی نمک حرامی پر آج تک نمک حرام کی حویلی شہادت دے رہی ہے۔ اُس ناکام جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان مغلیہ کی سلطنت کا آخری تاجدار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اگرچہ بہادر شاہ کی زندگی ہی میں گورنمنٹ مہرولی میں ایک کوٹھی بنوا رہی تھی اور بہادر شاہ کو اُس کوٹھی میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اگر گورنمنٹ کی یہ اسکیم پوری ہوجاتی تو ممکن تھا کہ وہ خاندان پھر اور کچھ دنوں باقی رہتا اور ہندوستان کے تاجداروں کی اولاد مہرولی میں کچھ دنوں نظربندی کے دن گزار لیتی لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ سلطنت کا سلسلہ جو تیمور گورگان سے شروع ہوا تھا اُسکا آخری صاحبقران بہادر شاہ کو مقرر کیا جائے۔

بہرحال قدرت نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس میں کامیاب ہوگئی اور ایسٹ انڈین کمپنی کے ہاتھوں گورگانیوں کا آخری تاجدار ہمیشہ کے لئے تخت و تاج سے

محروم کر دیا گیا۔ ہندوستان جو صدیوں اسلامی حکومت کے زیر نگیں رہا تھا ایک ہی جھٹکے میں یورپین اقوام کے ماتحت چلا گیا۔ اس انقلاب نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اسلامی اقتدار جو شرقاً و غرباً پھیلا ہوا تھا ہندوستان کے نکلتے ہی دفعتاً سمٹ کر رہ گیا۔ ہندوستان کی غلامی کے بعد اُس زمانہ کے بعض اہل الرائے حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ مسلمانوں کو اب تمام جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور ۱۸۵۷ء میں جو نقصانات ہوئے ہیں اُن کی تلافی کے لیئے حکومت کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اس وقت کے بزرگوں نے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ مسلمان نہ صرف ہندوستان کی دوسری قوموں سے کوئی تعلق رکھیں بلکہ بیرون ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی کسی تعلق کا اظہار نہ کریں چنانچہ اُس نازک دور میں مسلمانوں نے اسی پالیسی پر عمل کیا۔ اور اس ہی پالیسی کو سر سید کی پالیسی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد پڑی تب بھی مسلمانوں کو یہی رائے دی گئی کہ مسلمان کانگریس سے بالکل علیحدہ رہیں اور مسلمان من حیث القوم کانگریس سے علیحدہ رہے۔ جو لوگ اُس وقت کانگریس میں شریک ہوتے تھے مسلمان اُن کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے معدودے چند ہی افراد کانگریس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کی یہ پالیسی ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۰۶ء تک قائم رہی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ سیاسی میدان سے بالکل علیحدہ رہنا ان کے لیئے سخت مُضر اور مُہلک ہوگا تب سیاسی حقوق کے تحفظ کی غرض سے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس زمانہ میں اگرچہ سر سید کی پالیسی کہنہ ہو چکی تھی لیکن پھر بھی مسلمان مشترکہ پلیٹ فارم کے لیئے آمادہ نہیں تھے بلکہ اپنے حقوقِ سیاسیہ کا تحفظ مسلم لیگ کے ذریعہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ اُسوقت قائم کی گئی اور کہا جاتا ہے کہ وہ ابھی تک قائم ہے۔ اگرچہ اُس کا قیام بھی برائے نام ہے۔

جنگ رُوم و رُوس

شاید آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ جس زمانہ میں ٹرکی اور روس کی جنگ ہوئی ہے جس کو مسلمان رُوم و رُوس کی لڑائی کہتے تھے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں مسلمان ٹرکی سلطنت کو سلطان روم ہی کے نام سے جانتے تھے۔ اُس جنگ میں بھی ٹرکی کیلئے سخت خطرات کا سامنا تھا اگر سلطان عبد الحمید خان کا تدبّر اور ادھم پاشا کی شجاعت نہ ہوتی تو ٹرکی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ اُس نازک وقت میں بھی مسلمانوں پر سرسیّد کی پالیسی کا اس قدر غلبہ تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اگرچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُسوقت بھی فتویٰ دیا تھا کہ سُلطان روم کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے اور اُس فتوے کی نقل سنہ ۱۹۲۰ء میں مولانا عبد الباری صاحب مرحوم نے علمائے ہند کے فتوے میں شائع کی تھی لیکن گورنمنٹ نے اس فتوے کو ضبط کر لیا۔

بہرحال اتنی خوفناک جنگ سے مسلمانانِ ہندوستان صرف اس لئے غافل رہے کہ انہوں نے سیاست میں حصّہ لینے کی قسم کھالی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اب قیامت تک ہم کو ہندوستان میں انگریزوں ہی کے سہارے جینا ہے۔

جنگ طرابلس

خیال ہوتا تھا کہ شاید ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد یورپ کی طمع استعماریت و ہوائے استبداد ختم ہو جائے گی۔ لیکن ہندوستان پر قبضہ ہوتے ہی معاملہ بالکل برعکس ثابت ہوا دوسرے ممالک کو غلام بنانے کے لئے ہندوستانیوں ہی کو استعمال کیا گیا اور یہ غالباً اس لئے کیا گیا کہ ہندوستان سے بڑھ کر شاید سستی بھیڑیں کسی دوسری جگہ دستیاب نہ ہوسکتی ہوں گی۔ ہندوستان کی غلامی کے بعد تجربے نے ہم کو یہ بتایا کہ ہم صرف غلام ہی نہیں بنائے گئے بلکہ ہم دنیا کے لئے غلام ساز اور غلام گر مقرر کئے گئے ہیں۔

اس ستر سال کی مدت میں نہ معلوم دنیا کے کتنے آزاد حصوں کو غلام بنانے کیلئے... ہندوستان کا روپیہ اور ہندوستان کی اولاد کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔ اور پھر ہم بدنصیب خوش ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

معزز حاضرین! اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو شاید جنگ طرابلس ہی وہ جنگ ہے جس کی خبر نے مسلمانوں میں اتنا احساس پیدا کر دیا کہ انہوں نے بیرون ہند کے مسلمانوں کی اعانت کو اپنا فرض خیال کیا۔ دہلی والوں کو شاید یاد ہو گا کہ فتح پوری میں ایک جلسہ۔ اسی زمانہ میں حکیم امجد علی صاحب امام کشن گنج کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اگرچہ تقریریں اس میں بہت نرم ہوئی تھیں لیکن جلسہ اٹلی کے خلاف بیرون ہند کے مسلمانوں کی ہمدردی میں تھا۔ عوام میں بہت جوش تھا اور اسی جوش کا یہ نتیجہ تھا کہ جلسہ کے بعد ہی مسجد فتحپوری کے دروازے کے باہر اٹلی کی ٹوپیوں میں آگ لگائی گئی۔ اگرچہ صدر جلسہ نے اس قسم کی کارروائیوں کو منع کر دیا تھا لیکن پھر بھی بعض جوشیلے نوجوانوں نے جلسہ ختم ہوتے ہی بہت سی اٹلی کی ٹوپیاں جمع کر لیں اور سڑک پر رکھ کر ان کو پھونک ڈالا گیا۔ یہ واقعہ غالباً بائیس سال کا ہو گا۔ گویا اب سے بائیس ۲۲ سال پہلے مسلمانوں کی سیاسیات سے اس قدر بیگانگی تھی کہ وہ گورنمنٹ کی مرضی اور منشا کے خلاف کوئی ہلکی سی آواز بلند کرنے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ مسلمانوں کی ملکی اور مذہبی فلاح و بہبود کا دارومدار صرف اس پر تھا کہ صاحب کو خوش رکھا جائے۔ اور صاحب کو خوش رکھنے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج کل مسلمان تمام قوموں سے نہ صرف پیچھے ہیں بلکہ ہر قسم کی عملی جد و جہد سے بالکل ناآشنا ہو چکے ہیں اور باوجود اس قدر عظیم نقصان برداشت کرنے کے بھی رونا اس کا ہے کہ صاحب

خوش نہیں ہیں۔ اگرچہ طرابلس کی جنگ کے سلسلے میں بیداری پیدا ہو چکی تھی اور یورپ کی استعمار پسندی کو دیکھ کر مسلمان ہوشیار ہو چکے تھے۔ لیکن انہیں ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو اس نازک دور میں مسلمانوں کی سرپرستی کرتا۔ عام طور سے اکابر قوم میں پالیسی کے چیلنج کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ اتنی بڑی ذمہ داری کون اپنے سر لے۔

پھر مسلم قوم کی طرف سے یہ اطمینان بھی نہ تھا کہ وہ پالیسی تبدیل کرنے پر تیار بھی ہوگی یا نہیں کیونکہ مسلمان سرسید کی پالیسی کے اس قدر خوگر ہو چکے تھے کہ اس پالیسی سے ان کا ہٹنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

جنگ بلقان ابھی طرابلس کے زخم کا اندمال نہ ہوا تھا کہ شاطران یورپ نے بلقانی ریاستوں کو ٹرکی کے پیچھے لگا دیا۔ بلقانی جنگ کے دوران میں گورنمنٹ برطانیہ کی بعض ذمہ دار ہستیوں نے ایسی رکیک حرکتیں کیں کہ مسلمانوں کے عام قلوب مجروح ہو گئے۔ مسٹر اسکوتھ جو اس وقت وزیراعظم تھے انہوں نے ایسی بیہودگیوں کا اظہار کیا کہ جس سے مسلمان صاف طور پر سمجھ گئے کہ اسلام کی سب سے بڑی دشمن یورپ میں برطانیہ ہی ہے۔ اس جنگ میں برطانیہ کی غیر ذمہ دار روش نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی پوزیشن پر غور کریں اور وہ پالیسی جس پر وہ پچاس سال سے قائم تھے اس پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اگر ہم اسی کہنہ اور قدیم وفاداری پر قائم رہے تو اس کا نتیجہ نہ صرف یہ ہوگا کہ برّاعظم یورپ سے اسلامی اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ بلکہ ہندوستان میں بھی ہماری کوئی قیمت باقی نہ رہے گی۔ ہم صرف اس کام کے رہ جائیں گے کہ نازک سے نازک وقت پر گورنمنٹ کی خدمات انجام دیں اور جب وقت نکل جائے تو گورنمنٹ ہم کو کورا جواب دیدے۔ ہم اپنے خلاف ہندوستان کی دوسری

قوموں کو اپنا دشمن بنائیں اور آئندہ کے لئے اپنی نسلوں کو خطرات میں مبتلا کریں۔ یہ تمام مصائب صرف اس بنا پر برداشت کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ ہندوستان میں مضبوط ہوتی چلی جائے اور اس کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار کا دُنیا سے خاتمہ کر دیا جائے یہ تمام وہ خیالات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو اپنی پالیسی کے تبدیل کرنے پر پرزور دعوت عمل پر آمادہ کیا۔ مسلمان صرف ایسے شخص کے منتظر تھے جو دلیری اور جرأت کے ساتھ اُنکے سامنے آجائے اور مسلمان اپنی پالیسی کے تبدیل کرنے کا کھُلم کھُلا اعلان کر دیں۔

مَردے از غیبُ بیرون آید و کارے بکند

میرے معزز دوستو! ٹھیک اُس وقت جبکہ مسلمانان ہندوستان اپنی پچاس سالہ پالیسی کے تبدیل کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے اور علامہ شبلی مرحوم کی مساعی بار آور ہونے والی تھیں کہ خدائے تعالےٰ نے ایک ایسے مسلمان کو توفیق عطا فرمائی جس کی ساری عمر سر سید ہی کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے گزری تھی۔ وہ مسلمان اپنی خداداد شجاعت اور تہور کی بنا پر اُس دھکتی ہوئی آگ میں کود پڑا جس میں اُس کے معاصر کودتے کو تیار نہ تھے اُس نے لاکھوں قلوب کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ اب میرا تو صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک ہندوستان کو آزاد نہ کرایا جائے گا، دنیا کے مسلمان محفوظ نہ ہو سکیں گے۔ جو بات لاکھوں انسانوں کے سینے میں تھی۔ لیکن ڈر کے مارے زبان سے نہ نکلتی تھی۔ اُس نے نڈر ہو کر پلیٹ فارم پر کہی، ممبر پر کہی، جیل میں کہی، نظر بندی کی حالت میں کہی، مجسٹریٹ کے سامنے

مقدمہ کے دوران میں بھی، کامریڈ میں بھی، ہمدرد میں بھی، ہندوستان کے گوشے گوشے میں بھی، ہندوستان کی آزادی اور سوراج جس کے تصوّر سے مسلمان گھبراتے تھے اُس نے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں نہ صرف خود بھی بلکہ دوسروں سے بھی کہلوائی۔ ہندو مسلم اتّحاد جسے مسلمان ناممکن سمجھتے تھے اُس نے اس ناممکن کو ممکن بنا کر دکھا دیا۔ وہ کانگریس جس میں مسلمان پچاس سال سے شریک نہیں ہوئے تھے۔ اُس نے اُس کانگریس کی نہ صرف صدارت کی بلکہ کلکتہ کانگریس میں مسلمانوں کو اس کثرت سے شریک کیا کہ اُن کی تعداد ہندوؤں سے بڑھا دی۔

حضرات! مسلمانوں میں جو سیاسی چہل پہل آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ مولانا محمد علی رح کی انتھک مساعی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کہاں مسلمان اور کہاں یہ سیاسی مباحث؟

میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ میں مولانا محمد علی کی زندگی پر مفصّل تبصرہ نہیں کروں گا۔ اس کی بے شمار خدمات میں سے صرف ایک خدمت کا ذکر کرونگا یہی وہ بہت بڑی خدمت ہے جس کو مسلم قوم ہمیشہ یاد کرے گی۔ وہ حریت کی ایک روح تھی۔ وہ آزادی کی ایک آواز تھی جس نے سات کروڑ مسلمانوں کو ایک ایسے راستہ پر لگا دیا جس کو وہ پچاس سال سے بھولے ہوئے تھے۔ اگر قوموں کا انقلاب کوئی خدمت ہے؟ اگر غلامی سے نفرت اور آزادی سے محبت کوئی خدمت ہوسکتی ہے؟ اگر صداقت اور حق گوئی کی پاداش میں مصائب و تکالیف کا صابرانہ مقابلہ کوئی کارنامہ ہوسکتا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رئیس الاحرار اپنے کارناموں اور اپنی خدمات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں یگانہ تھا۔ خدا اُسکی روح کو اپنی رحمت میں جگہ دے۔ وہ مسلمانوں کے قلوب میں ایک ایسی لگن

لگا گیا ہے کہ آنیوالی نسلیں اُس کی اتباع پر فخر کریں گی۔ جس دن مسلمان آزاد ہندوستان کی آب و ہوا میں سانس لیں گے۔ اُس دن مولانا محمد علی کی روح ملاءِ اعلیٰ کی جماعت میں فخر کرتی ہوگی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

میرے عزیزو! جس طرح ہندوستان کی غلامی نے دُنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اسی طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ جس دن ہندوستان آزاد ہوگا اُس دن بھی دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس زمانے کے نقشہ نویس کرۂ ارضی کی تقسیم کس طرح کریں گے؟

یاد رکھو! آزاد ہندوستان کی پہلی صبح اسلامی ترقی کا پہلا دن ہوگا۔ تم اسلام کا مرثیہ پڑھنے میں مشغول ہو۔ لیکن مجھے نظر آ رہا ہے کہ اسلام لچک کر پھر اُبھرنے والا ہے۔ اگر تم کو رئیس الاحرار سے محبت ہے۔ اگر تم واقعی اُس کی روح کو پیار کرنے کے متمنی ہو تو اپنی تمام قوت ہندوستان کے آزاد کرانے میں خرچ کر دو اور پھر دیکھو کہ اسلامی گلشن میں کس طرح از سرِ نو بہار آتی ہے۔

سفرِ حج کا ایک واقعہ

اگرچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت کسی مزید تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ لیکن میں غلطی کروں گا اگر مرحوم کے سیاسی جذبہ کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی جذبات کا... کم از کم ایک واقعہ کا ذکر نہ کروں جب مولانا مرحوم موتمر اسلامی کی شرکت کے لئے حجاز جا رہے تھے اور کامران سے جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ سب لوگ احرام باندھ چکے تھے۔ چند گھنٹے پہلے حجاز کی بعض پہاڑیاں نظر آنی شروع ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ مولانا محمد علی پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور

.... اپنے رفقاء میں سے ایک ایک کے گلے لگ کر رو رہے تھے اور بعض نعتیہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ مجھے اس وقت وہ اشعار یاد نہیں لیکن رئیس الاحرار ارضِ حجاز کو دیکھ کر اس قدر بے ساختہ رو رہے تھے کہ اُن کی اس حالت کو دیکھ کر کوئی شخص اپنے دل اور اپنی آنکھوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔

رقّتِ قلب

جیل سے آنے کے بعد اُن کے قلب کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بسا اوقات اپنی تقریر کے دوران میں رو پڑتے تھے۔ کوکناڈا میں میں نے ان سے مزاحاً ان کی تقریر کے بعد کہا تھا کہ مولانا ہم لوگوں کے پاس صرف ایک رونا رُلانا رہ گیا تھا وہ بھی لیڈروں نے مولویوں سے اُڑا لیا۔ نہ تھی تقریریں تو آپ لوگ کرنے ہی لگے تھے اب تقریروں میں رونا بھی شروع کر دیا۔ مولانا نے اُسی وقت ہنس کر فرمایا مولانا رونا اور ہنسنا تو ہر انسان کو آتا ہے۔ میں نے مولویوں کا رونا نہیں اُڑایا ہے اور آپ حضرات کو تو ابھی اور بہت سے کمال یاد ہیں جن کی ہوا بھی بیچارے لیڈروں کو نہیں لگی ہے۔

بہرحال مرنے والے میں بہت سی خوبیاں تھیں جن کا تذکرہ اگر شروع کر دیا جائے تو سحری کے وقت تک بھی اُن کا تمام ہونا مشکل ہے۔

بعض مسائل میں اختلاف

حضرات میں ابھی آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا محمد علی ایک ایسی تحریک کے علمبردار تھے جس کا اثر مسلمانوں کی پچاس سالہ پالیسی پر پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے کاسہ لیسوں کی ایک بہت بڑی جماعت اُن کی مخالفت پر آمادہ تھی۔ اگر علمائے کرام کی مقدس جماعت مولانا محمد علی کے ہاتھوں کو مضبوط نہ کرتی تو یقیناً اُن کو بہت زیادہ دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا۔

علماء کا وہ مقدس گروہ جو ایک عرصے سے سرسید کی پالیسی کو تبدیل کرنے کا خواہشمند تھا لیکن غیر منظم ہونے کی وجہ سے اُس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سرکار پرستوں کا تنہا مقابلہ کرتا۔ اُس گروہ نے فوراً منظم ہو کر مولانا محمد علی کی نظر بندی کے زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس کی اور مسلمانوں کی تبدیل شدہ پالیسی کی پوری طرح حمایت شروع کر دی۔ علماء کی بے پناہ طاقت نے مولانا کو اتنا مضبوط کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے اور اُن کی پالیسی نے ایک مذہبی صورت اختیار کر لی جس کا مقابلہ سرکار پرستوں کی طاقت سے باہر ہو گیا یہی وجہ تھی کہ مولانا مرحوم کی تحریریں اور تقریریں عام طور سے مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ مولانا محمد علی نے اپنی اس مذہبیت سے تعلیم یافتہ طبقے کو علماء سے بہت قریب کر دیا تھا اور وہ اُس خلیج کو تنگ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے تھے جو ایک عرصے سے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

سرکار پرستوں کی طرف سے مولانا محمد علی کی سخت مخالفت کی گئی یہاں تک کہ پولیس کی طاقت سے مولانا مرحوم کو اُس کالج سے نکالا گیا جس کی تعمیر میں مولانا کی مساعی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ مولانا اپنی رائے میں اسقدر پختہ اور مضبوط تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک ان تمام طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی اُس سوء اور غلامانہ ذہنیت کو تبدیل کر کے چھوڑا۔

مجھے افسوس ہے کہ مولانا محمد علی صاحب سے اس آخر عمر میں اختلاف ہوا اگر وہ یورپ سے واپس آ کر بھی اپنے طریقۂ کار کو نہ بدلتے تو یقیناً اُن سے اختلاف جاری رہتا۔ لیکن باوجود اس اختلاف کے "محمد علی ہمارا تھا اور ہم محمد علی کے ہیں" جو لوگ آج محمد علی کی موت سے غلط فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ میں صاف طور پر

عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ رئیس الاحرار کی روح اُن سے اسی طرح بیزار ہے جس
طرح وہ خود زندگی میں اُن سے بیزار رہتا تھا۔

حضرات! رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور رات کا پہلا حصہ شروع
ہو چکا ہے۔ ہم یہاں اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ خدائے غفور و رحیم سے اس شہید قوم کیلئے
دعائے مغفرت کریں جو عمر بھر مسلمانوں کی خدمت کرتا رہا اور جس نے مسلم قوم کی
خدمت ہی کرتے کرتے اپنی جان ہمیشہ کیلئے خدا کے سپرد کر دی۔

آہ۔ ہم کس طرح اپنے اس رئیس الاحرار کی خدمت سے سبکدوش ہو سکتے
ہیں جس نے قوم کے پیچھے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات سخت سے سخت
بیماری میں بھی مسلمانوں ہی کی خدمت کرتا رہا۔ ہماری دعا ہے کہ خدائے تعالےٰ اسکو
اپنی رحمت میں جگہ دے اور اسکی خدمات کو قبول کرے۔

یکم فروری ۱۹۳۱ء اخبار الجمعیۃ دہلی

وحدتِ اسلامی
کا
پُرجوش مظاہرہ

برادرانِ ملّت! مسئلۂ کشمیر پر اب تک اتنی مفصل اور مبسوط تقریریں ہو چکی ہیں کہ میرے خیال میں اب کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے پیشتر فاضل مقررین نے نہایت وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں ان حضرات سے زیادہ کیا عرض کر سکتا ہوں۔ سوال تو تیس لاکھ انسانوں کے حقوق انسانیت کا ہے۔ اگر مہاراجہ کشمیر کے وزراء ریاست کے ساتھ غدّاری نہ کرتے تو یہ سوال اب تک طے ہو چکا ہوتا۔ ریاست کے حکام و وزراء نے مہاراجہ کو غلط مشورہ دے کر ریاست کو تباہ کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ ابتداءً جھگڑا مہاراجہ سے تھا۔ اگر مہاراجہ کو مجلسِ احرار کے ساتھ آزادی سے گفتگو کا موقع دیا جاتا تو یہ مسئلہ نہایت عزت کے ساتھ طے ہو جاتا۔ احراری جماعت نے نہایت صاف طور پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ہم مہاراجہ کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتے اور نہ انگریزوں کی مداخلت کو پسند کرتے ہیں۔ ان خیالات کو ظاہر کر دینے کے بعد کوئی شخص یہ شبہ کر سکتا ہے کہ مہاراجہ اور احراری جماعت کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہو جاتا۔ لیکن کشمیر کے وزراء کی غدّاری اور حکومت برطانیہ کی بے موقع مداخلت نے معاملے کو اہم کر دیا اور مسلمانوں کو

سخت مشکلات میں پھنسا دیا۔

گورنمنٹ سے لڑنا مقصود نہیں

معزز حضرات! مسلمانوں کا مقصد ہرگز انگریز سے لڑنا نہ تھا۔ لیکن انگریز نے خواہ مخواہ مداخلت کر کے ہم سے لڑائی مول لی اور اب انگریز نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان کا قدم پیچھے نہیں ہٹا کرتا۔ اس کی تاریخ میں ایسے واقعات بہت کم ملتے ہیں کہ مسلمان نے میدان میں قدم رکھ کر پیچھے ہٹایا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مہاراجہ کے سامنے تو جما رہتا لیکن انگریز کے آتے ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا۔

جنگ بدر میں کیا ہوا؟

میرے عزیزو! جنگ بدر میں بھی مسلمان ایک قافلے کو گرفتار کرنے گئے تھے لیکن مقابلہ میں ابوجہل کا لشکر آ گیا تھا تو کیا مسلمان ابوجہل کے لشکر کو دیکھ کر بھاگ آئے تھے۔ ابوجہل کا سامنے آ جانا مسلمانوں کے حق میں مفید ہی ہوا۔ طبیعت انسانی اگرچہ آسان چیز کو چاہتی ہے لیکن خدا تعالیٰ تو کچھ اور ہی چاہتا تھا۔

وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ط

مسلمان کی گزشتہ تاریخ

میرے دوستو! مسلمان کی تاریخ کا کونسا ورق ہے جس پر خون کی چھینٹیں پڑی ہوئی نہیں۔ جس دن سے فاروق اعظمؓ محراب میں شہید ہوئے ہیں اس دن سے بہادر شاہ کو رنگون لیجانے کے وقت تک جناب کی تاریخ کا کونسا ورق ہے جس پر سرخ دھبے نہیں ہیں۔ مسلمان ہمیشہ میدان جہاد میں مرا ہے یا جیل خانے کی سلاخوں میں اسکی موت آئی ہے۔ آج بھی دہلی کے کھنڈرات میں کسی

پتھر کو اُٹھا کر دیکھو گے تو اس کے نیچے مسلمان کا خون اُبلتا ہوا نظر آئے گا مسلمان نے ہمیشہ خون سے ہولی کھیلی ہے اور جب وہ میدان میں خدا کے بھروسہ پر اُترا ہے تب ہی فتح و کامرانی نے بڑھ کر اس کی بلائیں لے کر قدم چومے ہیں۔

کسریٰ کے دربار کا واقعہ

حضرات! ایک دفعہ شاہِ کسریٰ نے عرب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر اپنے وزراء سے دریافت کیا تھا کہ اس عرب کی قوم کو کیا ہو گیا ہے اُن کی کھنڈی تلواریں کہ جن سے تیر بھی آج تک قابلِ اعتبار نہ تھے۔ جب کبھی عرب نے سر اُٹھایا میری فوج کے ایک دو دستوں نے جا کر کچل ڈالا لیکن آج ان کی یہ حالت ہے کہ جس طرف جاتے ہیں دشمن کی فوج کے پرے کے پرے چیرتے چلے جاتے ہیں۔ کسریٰ کے اس سوال کا جواب بعض حاشیہ نشینوں نے دیا کہ جہاں پناہ! مسلمان ایک بھوکی قوم ہے جب لڑتی ہے تو اس توقع پر لڑتی ہے کہ اگر کامیاب ہو گئے تو دشمن کے خزانے لوٹ لیں گے اور اگر مر گئے تو فاقوں کی موت سے اچھے مر رہیں گے۔ لیکن ایک سمجھدار وزیر نے ادب سے عرض کیا۔ حضور! اگر میری جان کو امان دیا جائے تو میں عرض کروں۔ بادشاہ نے اجازت دیدی تو اس وزیر نے کہا۔ حضور! مجھے مسلمانوں کی فوج کا تجربہ ہے۔ دن بھر اُن کا سپاہی گھوڑے کی پُشت پر جہاد کرتا ہے اور رات کو وہی مصلے پر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتا ہے۔ اے بادشاہ اگر مسلمان میدانِ جہاد میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ مصلے کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دشمن پر فتحیاب ہو جاتا ہے۔ بادشاہ! ایسی قوم کے مقابلے میں کامیاب ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میرے دوستو! یہ جمود تو چند سالہ ہے ورنہ تمہاری تو تمام عمر اسی میں کٹی ہے۔

جیل خانہ عزت کا مکان ہے

برادران ملت! کیا تمہارے لئے جیل خانہ کوئی نئی چیز ہے ۔۔۔؟

ارے میرے پیارو! ہتھکڑیاں بیڑیاں تو ہمیشہ تمہارا زیور رہا ہے۔ کیا حضرت امام احمد بن حنبل رح جیلخانے نہیں گئے۔ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جیل خانے میں وفات نہیں پائی۔ کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہ کالا کرکے اونٹ پر بٹھا کر تشہیر نہیں کی گئی۔ کیا زین العابدین اور موسیٰ کاظم کو ہتھکڑیاں، بیڑیاں نہیں پہنائی گئیں۔ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کون جیلخانہ نہیں گیا۔ میں تو کہتا ہوں بعض مواقع پر جیل کی تمنا کی گئی ہے۔ جیل کو آزادی پر ترجیح دی گئی ہے۔ کیا حضرت یوسف ؑ کا قول یاد نہیں رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ کیا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گوالیار کے قلعے میں قید نہیں رہے۔ آخر تمہارے لئے جیلخانہ کونسی نئی چیز ہے جس کے لئے پس وپیش کیا جائے۔

حجاج بن یوسف ثقفی کا واقعہ

صاحبو! آج رضاکاروں کو تلقین کی جاتی ہے کہ معافی نہ مانگنا۔ شاید آپ حجاج کو تو جانتے ہوں گے۔ عہد مروانی کا ایک ایسا ظالم امیر ہے جس نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ اور تابعین کو جبراً قتل کیا ہے اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنا پڑا کہ امم سابقہ کے تمام ظالم اگر قیامت میں جمع کئے گئے تو اس امت کا حجاج ہی سب ظالموں سے زیادہ ظالم ہوگا۔ اس ظالم کا طرز عمل یہ تھا کہ جمعہ کے خطبے میں اہل بیت کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کا خطبہ کچھ طویل ہو گیا اور نماز کیلئے وقت مستحب سے کچھ تاخیر ہو گئی تو ایک شخص نے اس کے خطبے میں اس کو ٹوک دیا کہ حجاج خطبے کو ختم کر نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں، حجاج کو ٹوکنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ حجاج نے اشارہ کیا اور یہ شخص نماز سے پہلے ہی جیلخانہ

پہنچا دیا گیا۔ نماز کے بعد بعض مصاحبین نے حجاج سے عرض کیا حضور! فلاں شخص کو آپ نے جیل میں بھیج دیا وہ تو پاگل ہے۔ اکثر اسی طرح بے موقع بول اٹھا کرتا ہے۔ حجاج نے کہا اس نے سخت گستاخی کی ہے۔ میری تقریر میں مجھے اس نے ٹوک دیا۔ خیر اگر آپ لوگ کہتے ہیں تو میں اسے رہا کردوں گا بشرطیکہ وہ معافی مانگ لے۔ یہ لوگ خوشی خوشی جیل خانے پہنچے اور ان بزرگ کو ملامت کی کہ آپ ایسے ظالم کے مقابلہ میں بول پڑے حالانکہ آپ اس کی عادت سے واقف ہیں ہم نے بڑی کوشش سے معاملہ کو سلجھایا ہے۔ اس اللہ کے بندے نے دریافت کیا، جناب نے معاملہ کو کس طرح سلجھایا؟ یہ بولے تم معافی مانگ لو تو رہا کردیئے جاؤ گے۔ لیکن اس نے نہایت بے اعتنائی سے کہا خوش تمام عمر میں ایک ہی تو کام کیا ہے اسی کی معافی مانگ لوں۔ ایک ظالم کے سامنے میں نے سچی بات کہی ہے افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ تم اچھا مشورہ لے کر آئے۔ میں معافی مانگنے پر تیار نہیں ہوں۔ یہ لوگ مایوس ہو کر چلے آئے۔ اگرچہ حجاج نے پھر بدون معافی ہی کے ان کو رہا کر دیا۔ لیکن اس مجاہد نے معافی کو ٹھکرا دیا۔

معافی کا قصہ بھی کوئی نیا نہیں ہے۔ یہ منزل بھی ہماری دیکھی بھالی ہے ہم خواہ مخواہ کسی سے نہیں الجھتے۔ لیکن جب ہم سے کوئی الجھ جائے تو پھر ہمارا کام میدان سے ہٹنا نہیں ہے۔

ہز ہائینس آغا خان کا مشورہ

آج ہز ہائینس مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ قافلوں کی روانگی بند کردو۔ گورنمنٹ سے مسلمان نہ ٹکرائیں اگرچہ وہ جس نقطۂ نگاہ سے فرماتے ہیں وہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے جدا ہے۔ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ گورنمنٹ

اس وقت مسلمانوں پر مہربان ہے اور مسلمانوں کو اُن کی غداری کا صلہ ملنے والا ہے۔ اس وقت مسلمان کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے گورنمنٹ ان سے ناراض ہو جائے اور یہ توقعات ہم کو ملت فروشی اور وطن کی غداری کے بعد حاصل ہونے والی ہیں۔ اُن سے مسلمان محروم کر دیئے جائیں۔ اس لئے اس وقت مسلمانوں کو گورنمنٹ سے لڑنا نہیں چاہیئے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم ہز ہائینس کی رائے سے متفق نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریز مسلمانوں کو بے وقوف بنا رہا ہے وہ مسلمانوں کی اعانت سے کانگریس کو فیل کرانا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو ہریجنوں عیسائیوں، یورپینوں، اینگلو انڈین وغیرہ کے ساتھ ملا کر یہ چاہتا ہے کہ گاندھی جی کو شکست دیدے۔ اور مرکزی ذمہ داری کے سوال کو کھٹائی میں ڈال دے۔ گورنمنٹ مسلمانوں کو احمق بنا کر اپنا کام نکالنا چاہتی ہے۔ میں آغا خان بالقابہ اور ان کے اندھے اور خود غرض متبعین سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر کانگریس کو شکست دیدی گئی تو مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو بنگال میں میر جعفر کے ساتھ ہوا تھا۔ اس سے زیادہ کی انگریز سے توقع نہ رکھنا۔ بہر حال ہز ہائینس کا نقطۂ نگاہ کچھ بھی ہو اتنی بات میں ہم اور وہ متفق ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کو انگریز سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہز ہائینس چاہتے ہیں کہ یہ جنگ بند ہو جائے تو وائسرائے کو تار دیں کہ وائسرائے آرڈیننس واپس لے لیں اور ہم کو براہ راست مہاراجہ سے معاملہ طے کر لینے دیں۔

ہندو اخبارات اور قومی چولا

معزز حاضرین! میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ایک دیسی ریاست کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی اور مسلمانوں کے بہ دستے میں انگریز کو

نے جو فائدہ اُٹھایا ہے اُس سے جو دُکھ میرا قلب محسوس کرتا ہے۔ اُسے میں ہی جانتا ہوں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں ابتدا ہی سے غلطیاں ہوئیں۔ مہاراجہ نے جو غلطیاں کیں وہ تو کیں۔ تو دہندو اخبارات نے معاملہ کو خراب کر دیا۔ پنجاب کے ہندو اخبارات نے حسب عادت (اعمی) اور رعایا کے معاملہ کو فرقہ وارانہ بنادیا اور کچھ اس انداز سے معاملہ کو اُلجھایا کہ آخر ایک دیسی ریاست کو تباہ کر دیا۔ اگر ہندو اخبارات بھی اس موقع پر کشمیری مسلمانوں کی موافقت کرتے اور اس قضیے کو فرقہ وارانہ رنگ نہ دیتے تو قصّہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ کشمیری مسلمان بیچارے کونسے مکمل آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تھوڑی بہت اصلاحات اُن کو دیدی جاتیں اور دس بیس برس کو قصّہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ لیکن مہاراجہ کے نمک حرام وزراء نے جو ریاست کو تباہ کرنے کی غرض سے ہی وزیر مقرر ہوئے تھے، معاملہ کو اُلجھایا اور پنجاب کے ہندو اخبارات نے نیک نیتی سے اس معمولی سی بات کو فرقہ وارانہ صورت دے دی کانگریس کی تحریک میں جس طرح بعض مسلم اخبارات نے اپنے ملک کے ساتھ غداری کی اور حکومت کا ساتھ دے کر دین و دنیا میں اپنا مُنہ کالا کیا اِسی طرح پنجاب کے بعض ہندو اخبارات نے ظالم کی حمایت کر کے اپنی روسیاہی کا اعلان کیا۔ جن ہندو اخبارات نے روپیہ لے کر یہ کام کیا ان کو چھوڑیئے اس لئے کہ جو روپیہ کے لالچ یا سرکاری اشتہارات کی بدولت ضمیر فروشی کر رہے ہیں وہ تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ اُن بدنصیبوں سے بحث کی جائے۔ وہ ضمیر فروش تو خود ہی ذلت کی موت مر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت اُس کُتے سے زیادہ نہیں ہے جو ہڈی پھینکتے وقت دُم ہلادیا کرتا ہے۔ مجھے تو شکایت اُن قومی اخبارات سے ہے جو معاملہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور پھر مہاراجہ کو دبانے کی بجائے مسلمانوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ بعض اخبارات تو کھلم کھلا اسلامی ریاستوں کا نام لے رہے ہیں۔ گویا اب ریاستیں

ہندو مسلمانوں کا محاذ جنگ بننے والی ہیں۔ ہندو مسلمان ریاستوں کو تباہ کریں گے اور مسلمان ہندو ریاستوں کو؟ سبحان اللہ اس ملک کے باشندوں کی ذہنیت بھی عجیب و غریب ہے۔ ہندوؤں کا مسلمانوں سے یہ مطالبہ کہ حیدر آباد، جوناگڑھ، بھوپال، وغیرہ کی رعایا کے حقوق بھی طلب کرو۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ ایک اسلامی ریاست میں، ریاست کی فوج کا معصوم خواتین سے زنا بالجبر اور وہ بھی سر بازار ثابت کر دیں تو سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو حلف لے کر اس اسلامی ریاست کے خلاف جاؤں گا۔ میں اپنے ان ہندو دوستوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کشمیر کی ڈوگرہ فوج نے سر بازار مسلم خواتین کی عصمت دری نہیں کی۔ کیا جامع مسجد میں زنا بالجبر کا واقعہ پیش نہ آیا۔ کیا ایک مسلمان محلے کی عورتوں کو فوج کے لئے حلال کر دینے کا عام اعلان نہیں کیا گیا۔ اگر یہ واقعات ہیں اور ان واقعات پر کشمیر کی زمین کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر کی حمایت کی جائے۔

دیسی ریاستوں کے رئیس عام طور پر غیر محتاط ہوتے ہیں۔ مسلمان نوابوں اور راجاؤں کے فسق و فجور کی شکایتیں ہمیشہ سننی جاتی ہیں لیکن فوج کے سپاہیوں کو اس بے باکی سے عصمت دری کی اجازت دینا یہ تو کہیں بھی نہیں ہے۔ پھر اسلامی ریاستوں کا نام کیوں لیا جا رہا ہے۔ میں ریاست کے ان نادان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے قومی چولا نہیں اتارا ہے۔ ہم تو اسکو بھی قومی کام سمجھ کر کر رہے ہیں۔ ہمارا قصہ صرف مہاراج سے ہے۔ اور اگر آج بھی ہندو اخبارات اپنا غلط پروپیگنڈہ چھوڑ دیں اور انگریز بیچ میں سے ہٹ جائے تو ہم ایک دن میں مہاراج سے باعزت سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

آج ایک کشمیر کا صرف معاملہ ہے جس پر ہندو دوستوں نے آسمان سر پہ

اُٹھالیا ہے۔ حالانکہ میں نے اپنی تقریروں میں بارہا یقین دلایا ہے کہ ہم صرف
تیس لاکھ کشمیریوں کو انسانی حقوق دلانا چاہتے۔ قادیانیوں کی برابر مخالفت کرتے
ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کشمیر میں انگریزی قبضے کے خواہشمند ہیں۔ انھوں نے
یہ فتنہ اسی لئے اُٹھایا تھا کہ مہاراج کی خودداری کو پامال کردیا جائے اور کشمیر کو
انگریزوں کے حوالہ کیا جائے۔ لیکن ہماری پہلی شرط یہ ہے کہ انگریزی فوج کو ریاست
سے ہٹایا جائے میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم اپنی ایمانداری کا ثبوت کس طرح پیش کریں
کشمیر کی کمیٹی پر مجلسِ احرار کو قیاس کرنا صریح ظلم ہے۔ اس میں جس قسم کے لوگ شامل
ہیں ان سے ہر ہندو مسلمان اچھی طرح واقف ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں اور اچھی طرح
جانتے ہیں کہ انگریز کا مقصد پورا ہوچکا۔ جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ ۲۶ نومبر کو پورا ...
ہوجائے گا۔ لیکن اگر مجلسِ احرار بیچ میں نہ آتی تو انگریزوں کا مقصد تو جب بھی پورا
ہوتا لیکن مسلمانوں کو کچھ نہ ملتا۔ مہاراج کی غفلت، پولیس اور فوج کے بے پناہ مظالم
نئے وزارت کی نمکحرامی، مرزا محمود کی انگریز پرستی، انگریزوں کی دیرینہ تمنا، ہندو
اخبارات کی فرقہ وارانہ ذہنیت یہ تمام وجوہات ہیں جنھوں نے ریاست کشمیر کو موت
کے گھاٹ اُتار دیا۔

بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں نے اسقدر بیش بہا قربانیاں
پیش کی ہیں کہ اب اُن قربانیوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو اپنی قدیم روایات
کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ میں دہلی کے رضاکاروں سے صرف اسقدر عرض کرنا چاہتا
ہوں کہ کوئی حرکت ایسی نہ کرنا جس سے دہلی کی بدنامی ہو۔ اپنے رئیس مولانا محمد علی
کاندھلوی کی پوری اطاعت کرنا جیلخانے میں جو تکلیف ہو اسکو برداشت کرنا ہمت
نہ ہارنا۔ معافی نہ مانگنا، تم کو کتنا ہی دھوکا دیا جائے جبتک کسی کاغذ کی تحریر کو پڑھکر
سمجھ نہ لو اس پر دستخط نہ کرنا۔ عام طور سے جیل میں پنجاب کے ایک غیر موقر اخبار کا ضمیمہ

شائع کیا جا رہا ہے جس کو دکھا کر رضاکاروں سے معافی نامے حاصل کئے جا رہے ہیں۔ تم اس قسم کی باتوں سے ہوشیار رہنا۔ مجھے حضرت حق کی ذات سے کامل توقع ہے کہ انشاء اللہ تم بہت جلد کامیاب ہو کر واپس آؤ گے۔ تم اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے جا رہے ہو۔ واللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ۔ جب تک کوئی شخص اپنے بھائی کی اعانت کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس اعانت کرنیوالے کی مدد کرتا رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالےٰ تم کو باعزت کامیاب کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ط

اور

مرزا غلام احمد

حضرات! سیالکوٹ کی تقریر کے بعد سے آج تک آواز مجروح ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ تک اپنی آواز پہنچا سکوں۔ اگر آپ حضرات خاموشی کے ساتھ سنتے رہے تو مجھے خدا کے فضل سے توقع ہے کہ میں آپ تک اپنی آواز کے پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

جناب صدر! میں تو پنجاب میں اس لئے آیا تھا کہ سیالکوٹ میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں اس سے لوگوں کو مطلع کر دوں اور پنجاب کے مسلمانوں سے کہہ دوں کہ قومیں روز روز زندہ نہیں ہوا کرتیں۔ یہ وقت ہے اگر پنجاب کے مسلمان منظم ہو سکتے ہیں تو اس سے بہتر وقت نہیں آئیگا نہ معلوم کل کیا ہونیوالا ہے۔ میں تو مباہلہ کانفرنس میں بھی اسی ایک خیال کو لیکر حاضر ہوا تھا لیکن یہاں آکر کچھ رنگ ہی اور دیکھا یہاں بقول مولانا ثناءاللہ صاحب کہا سو (بڑا پیالہ) میں نبوت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ نبوت بھی کس کو دی جا رہی ہے، مرزا غلام احمد کو، بھلا صاحب ہماری یہاں کیسے گزر ہو سکتی ہے۔ ہم کیا جانیں کہ نبوت بھی کسی کو دی جا سکتی ہے اور وہ بھی جناب ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد؟

یہاں تو عقیدہ یہ ہے ؎

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

یا ایک اور فارسی کے شاعر نے کہا ہے ؎

پارہ ہائے دل صد پارہ بہم مے سازم
چوں شنیدم کہ سگِ کوئے تو ہماں شد نی

ہمیں تو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ہم جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کے کتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی گلی کے کتے بھی ہم سے اچھے ہیں۔ وہ قریب ہیں ہم بعید ہیں۔

دہلی کی مثل حضرات! دہلی والے کہتے ہیں کہ دور کا بیٹا بیٹی اور پاس کا کتا بھی برابر نہیں ہوتا۔ قرب قرب ہی ہے اور دوری دوری ہی ہے۔ مدینہ منورہ کی گلیوں کے کتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ مدینہ کے کتے ہیں اور ہم اس شرف قرب سے محروم ہیں۔ دہلی کے ایک بزرگ مولانا سپہدار خاں صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ایک قبر پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔ یہ قبر مسجد نبوی کے احاطے کے باہر ہے۔ لیکن گنبدِ خضرا میں آرام کرنے والوں کے پائین جانب کی جو دیوار ہے اس کے نیچے ہی یہ قبر تھی۔ اس قبر کے سرہانے ایک پتھر پر لکھا ہوا تھا۔ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ یہ ٹکڑا سورہ کہف کا ہے اللہ بخشے مولانا سپہدار خاں صاحب کا وعظ سنا ہے۔ یہ بزرگ مولانا قطب الدین خاں صاحب دہلوی کے شاگرد تھے ان کو وفات پائے بھی تیس سال سے زیادہ گزرے، یہ کہا کرتے تھے۔ اس قبر کو دیکھ کر تمنا ہوتی تھی کہ میں یہاں مدفون ہوتا اور واقعی بھی ہے۔ آیت کیا

اچھے موقع پر استعمال ہوئی ہے۔

بھائیو! یہاں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا کُتّا بننے کی تمنّا ہے اگر سرکار اپنا کتّا فرمادیں تو ہمارے نزدیک دونوں جہاں کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ لیکن ایک غلام احمد کا دل گردہ ہے کہ وہ نبی بننا چاہتا ہے۔

شیطان اور فرعون کا قصّہ

میں نے قصص کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے فرعون سے ملاقات کر کے کہا کہ تو خدائی کا دعوےٰ کرتا ہے میں تو ہزاروں برس سے بندہ بننے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن حضرت حق مجھ کو اپنا بندہ کہنے کو تیار نہیں۔ بھلا تیرے اس دعوے کو کیسے قبول فرما سکتے ہیں۔ فرعون اس پر کچھ شرمندہ ہوا اور چاہتا تھا کہ اپنے دعوےٰ کو واپس لے لیکن شیطان نے پھر یہ کہہ کر جما دیا کہ اب جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب اپنے دعوے سے رجوع کرنا اور زیادہ بے عزتی کی بات ہوگی۔ ہم اپنے کو کتّا کہلوانے کی کوشش کر رہے ہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ دربارِ رسالت سے سگِ درگاہ کا لقب بھی ملتا ہے یا نہیں؟ لیکن غلام احمد اپنے کو نبی کہلوانا چاہتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ وہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کر رہا ہے۔

نبوت کا دعوےٰ خاتم المرسلین کی توہین

حضرات! آپ کو معلوم ہے، دُنیا ابتدائے آفرینش سے ارتقائی منزلیں طے کر رہی ہے جس طرح مادّی ترقی ہو رہی ہے۔ اسی طرح روحانی ہدایت بھی پوری قوّت کے ساتھ رہنمائی کر رہی ہے۔ اس آخری دور میں مادیت اپنی انتہائی منزل

پر پہنچنے والی تھی۔ اسی لئے آخر زمانہ میں اُس پیغمبر کو بھیجا گیا جو تمام روحانی قوتوں کا مالک تھا۔ سب سے آخر میں سب سے بڑا طبیب آیا کرتا ہے۔ کسی عمارت کی اصلاح کے لئے سب سے آخر میں سب سے بڑا انجینئر آتا ہے۔ برادری میں کوئی روٹھ جائے تو سب سے بڑے کو آخر میں منانے کے لئے بھیجتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں بھیج کر یہی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اب ان سے بڑا کوئی نہیں۔ ان کے بعد یا شفا ہے یا موت۔ تعمیر کی تکمیل ہے یا بربادی۔ انکے بعد روٹھے ہوؤں کو من جانا ہے یا ہمیشہ کے لئے برادری سے خارج ہو جانا۔ ان کی شخصیت ابراہیم اور سلیمان جیسی نہیں ہے۔ یہ تو آخری پیام ہیں جو قبول کرتا ہے، قبول کرے ورنہ جہنم کا راستہ اختیار کرے۔ ان کے بعد کسی حیثیت سے بھی نبی کا آنا اُن کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

غلام احمد نے اسلام کی بنیادیں ہلا دیں

حضرات! مرزا صاحب علیہ ما علیہ نے ایسا اقدام کیا ہے جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ لوگ ولی بنے، غوث بنے، قطب اور ابدال بنے لیکن آج تک کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ نبوت کا تصور بھی کرتا۔ ختم نبوت پر اتنے صریح اور واضح دلائل موجود تھے کہ کسی کذاب کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ادعا کرتا مگر غلام احمد اور اس کے ساتھی۔ یہ خود داری کی حیرت انگیز جرأت ملاحظہ کیجئے کہ ان کو لفظ نبی اور رسول کا استعمال کرتے ہوئے ذرا سی شرم بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تمام اصطلاحیں وہی استعمال کر رہے ہیں جو حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانہ میں بولی جاتی تھیں۔ مثلاً صحابی، عشرہ مبشرہ، مدینۃ المسیح وغیرہ وغیرہ

چونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ

اور تو اور وہ مرزا صاحب کی بیوی کا قصہ سنئے۔ مرزا
صاحب کو دہلی کی لڑکی بیاہی ہوئی تھی۔ یہ لڑکی خواجہ میر دردؔ کے گھرانے کی ہے
اور میرے محلے کی ہے۔ اب تک میرے مکان کے قریب بارہ دری میر دردؔ کے
نام سے گلی مشہور ہے۔ یہ لڑکی بارہ دری کی تھی جو ایک دفعہ اپنے میکے گئی اور
جہاں تک مجھے یاد ہے مرزا صاحب کے مرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب بیگم صاحبہ
دہلی گئیں تو پاس پڑوس کی عورتیں ملنے آئیں۔ کسی نے کہا کہو بوا اچھی ہو۔ مرزا
صاحب کیا بیمار ہوئے تھے۔ تمہاری سوکن کا کیا حال ہے۔ کسی نے بیگم کہا کسی
نے نام لیا۔ کسی نے مرزا کی دلہن کہا۔ جب یہ عورتیں ان کو خطاب کر رہی
تھیں تو ایک دفعہ ہی بیگم صاحبہ بولیں مجھے اُمّ المومنین کہو۔ اگر اُمّ المومنین نہ کہو گی
تو گنہگار ہو گی۔ اوّل اوّل تو دہلی کی عورتیں سمجھی نہیں کہ اُمّ المومنین کیا ہے۔ کسی
نے پوچھا کہ یہ کوئی پنجابی بولی ہے؟ کسی نے کہا کیا قادیان میں دلہنوں کو ام المومنین
کہا کرتے ہیں۔ جب عورتوں نے زیادہ اصرار کیا کہ اچھی یہ ام المومنین کیا ہے تو
مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ اس کی تشریح کرنے بیٹھیں کہ بوا یہ نبی کی بیوی کا
لقب ہوتا ہے۔ جیسے وہ اللہ کے نبی تھے تو میں ان کے نکاح میں گئی تو میں ام المومنین
ہوئی۔ عورتیں پھر بھی نہ سمجھیں کہ کون نبی؟ کیسا نبی؟ آخر مزید گفت و شنید کے
بعد عورتوں کی سمجھ میں آیا کہ یہ اپنے خاوند کو اللہ کا رسول کہتی ہے۔ اور خاتم النبیین
کے بعد کسی نئے نبی کا نام لیتی ہے۔ اور اپنے کو ازواج مطہرات میں سے شمار
کرتی ہے۔ پھر تو عورتوں نے ان بیگم صاحبہ کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ خدا کی
پناہ! سینکڑوں صلواتیں تو انہوں نے مرزا صاحب کو سنائیں اور ان سے
کہا بیوی! یہ باتیں جا کر قادیان میں کرنا۔ بارہ دری میں اس قسم کا کفر بکا تو چوٹی

کا ایک ایک بال الگ کر دیا جائیگا۔

بھائیو! خلیفہ اوّل و دوئم کی اصطلاح سے تو زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے کہ مرزا کی عورتیں اپنے کو امّ المومنین کہلواتی ہیں سے

تیر بر معصوم مے بارد خبیث بد گہر
آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمین

اس بد قسمت گروہ نے نبوت کو کس قدر ذلیل کیا ہے اور کیسا غلط دروازہ کھولا ہے کہ جس کا انسداد قیامت تک ملت اسلامیہ کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ گویا معاذ اللہ نبوت بھی ایسی چیز ہے جس کا دعوی کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی نقصان

خیر حضرات! میں نے عرض کیا تھا کہ میں تو اس ہفوات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور نہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہے۔ اگر آپ اس گروہ کو فنا کرنا چاہتے ہیں تو اسکے اسباب پیدا کیجئے۔ اچھے ہوشیار مبلغین کی خدمات حاصل کیجئے۔ پورے طور پر پروپگنڈہ کیجئے۔ خدا کی امداد آپ کے ساتھ ہو گی۔ باطل کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ مرزا کی موت اور وہ بھی مولانا ثناء اللہ صاحب کے مقابلہ میں ایک عبرت انگیز چیز ہے جس نے باطل کے قلعہ کو تو مسمار کر دیا ہے اب جو کچھ رہ گیا ہے وہ غلط بنیادوں پر کچی عمارت ہے۔ اب دلائل کا جہاں تک تعلق ہے مرزائی مرزائی ختم ہو چکی ہے۔ اب تو جو کچھ ہو رہا ہے وہ گورنمنٹ کے سہارے ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے عہدے ان کو گورنمنٹ دے رہی ہے۔ اور اپنے ماتحتوں کو اپنے اثر سے قادیانی بنا رہی ہے۔ خود دہلی میں ایسے بکثرت واقعات ہیں کہ لوگوں نے محض اپنے اغراض کے لئے قادیانیت کو قبول کیا ہے۔ قادیانی بنکر مقدمات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ قادیانی بنکر

ملازمت حاصل کی ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن یہ دیرپا نہیں ہے۔

حضرات! جس طرح یہ فرقہ مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کا دشمن ہے اسی طرح سیاسی حیثیت سے بھی اس کا وجود سخت نقصان دہ ہے۔ انگریزوں کے وفادار اور بھی بہت ہیں۔ ہندوستان میں غدارانِ وطن اور حکومت کے خوشامدیوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک ملت فروش پڑا ہوا ہے لیکن آج تک بیعت کی شرط کسی نے نہیں لگائی کہ حکومت کی وفاداری میری بیعت کی شرط ہے۔ کسی نے آج تک الماریاں کی الماریاں ایسی تصنیف سے نہیں بھریں جس میں حکومت کی وفاداری کا درس دیا گیا ہو۔ ان ظالموں نے تو گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کو جزوِ ایمان قرار دیا ہے۔ اپنے مطلب کے لئے سب وفاداری کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک تو مسیح موعود پر ایمان لانے کی شرط ہی یہ ہے کہ گورنمنٹ کی وفاداری کا اعتراف واقرار کرو۔ یہ تو ایمان کے پردے میں انگلو انڈین بناتے ہیں۔ انگریز کی ہمدردی ان کے ساتھ ہے اور یہ انگریز کے جاں نثار ہیں۔ آج یہ کشمیر کے مسلمانوں کی ہمدردی میں اُٹھے ہیں۔ لیکن ان کو مسلمانوں کی ہمدردی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے یہ مسلمانوں کو مسلمان تو سمجھتے ہی نہیں یہ کمبخت اُن سے ہمدردی کیا کرینگے؟ میں نے تو سیالکوٹ میں بھی عرض کیا تھا کہ ان انگریزی نبوت پر ایمان لانے والوں سے دریافت کرو کہ مظلومین پشاور کے متعلق جناب کی رائے کیا ہے۔ اس وقت مرزا محمود خلیفہ ثانی کہاں تشریف لے گئے تھے۔ یہ برطانوی نبی کے برطانوی خلیفہ اور انگریزی روحانیت کے تاجدار پشاور کی گولیوں کے وقت کیا عالم ملکوت میں تشریف فرماتے تھے۔

کشمیری مظالم

حضرات! اس سے انکار نہیں کہ کشمیری مسلمانوں پر انتہائی مظالم ہوئے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اب دُنیا میں انقلاب ہو رہا ہے۔ آج کسی قوم کو دوسری قوم پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔ طرز حکومت بدل رہا ہے۔ ہر شخص آزادی کا خواہشمند ہے۔ یو میں نہیں کہتا کہ یہ جذبہ غلط ہے یا صحیح۔ بہرحال دُنیا کی تمام قوموں میں یہ جذبہ موجود ہے۔ آج تو وہ زمانہ ہے کہ عرب کے مسلمان مصطفےٰ کمال کی سیادت قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ مصطفےٰ کمال کے باپ دادا نے صدہا برس حرمین کی جاروب کشی کی ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ یہ آزادی کا جذبہ جانوروں تک میں موجود ہے۔ آپ ایک جانور کو پنجرے میں بند کرکے دیکھ لیجئے چونچیں مار مار کر اپنے سر کو زخمی کرلے گا۔ جب یہ آزادی کا جذبہ جانوروں میں کارفرما ہے تو پھر انسان کا کیا کہنا ہے۔ میں کشمیری مسلمانوں کے اس جذبے کا قدر کرتا ہوں کہ وہ مٹھی بھر ڈوگرہ شاہی کی حکومت قبول کرنے کو آمادہ نہیں ہیں اگر ہمیں اس جذبے سے اتفاق نہ ہوتا تو آج احرار اسلام کے ارکان کیوں کشمیری مسلمانوں کی حمایت کرتے اور کیوں بڑی سے بڑی قربانی کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

مجلس احرار اسلام پنجاب

معزز دوستو! آپ کی مجلس نے اس وقت جو خدمات انجام دی ہیں اُن کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ اگر احرار درمیان میں نہ آجاتے تو قادیانی پارٹی نے ریاست کشمیر اور مسلمانان کشمیر کو کبھی کا ختم کردیا ہوتا۔ قادیانی جماعت کا منشا مسلمانوں کی صحیح خدمت کرنا نہیں بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ کشمیر پر انگریزوں کا قبضہ کرادیں اور وہاں کے مسلمانوں کو انگریزی نبی کا حلقہ

بگوش بنا دیں تاکہ آئندہ ہندوستان میں ایک قادیانی ریاست قائم ہو سکے لیکن احرار کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان رکھا جائے اور ان کو مہاراجہ کشمیر کی مطلق العنانی اور اندھیر گردی سے نجات دلا دی جائے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس موقعہ پر احرار کے جھنڈے کے نیچے سب کو جمع کر لیا جائے میں کہتا ہوں وقت نازک آرہا ہے۔ ہندوستان کے ذرّے ذرّے اور کونے کونے سے انقلاب کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اگر پنجاب کا مسلمان زندہ ہونا ہے تو اسکی زندگی سے فائدہ اٹھالو۔

جہلم میں سرفروشوں کا اجتماع

مسلمان جب اٹھتا ہے تو سرفروشی کرتا ہوا اٹھتا ہے۔ مجلس احرار نے سرفروشی کر کے ہزاروں سرفروشوں کی تعداد پیدا کر دی ہے۔ کشمیر کے مہاراجہ سمجھتے تھے کہ کسی بے گناہ کے خون سے کھیلنا آسان ہے وہ مرزا محمود کی ملاقات کو جاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ خلیفہ قادیان کوئی پیشین گوئی کر دیں گے یا اپنے باوا کا کوئی الہام شائع کر دیں گے جیسے روس اور افغانستان کے انقلاب پر ان کا طرز عمل رہا ہے لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ کشمیر کے بے گناہ مسلمانوں کا خون پنجاب کے گلی کوچوں میں ہزاروں سرفروش پیدا کر دے گا۔ یتیموں کی آہیں اور بیواؤں کی صدائیں پنجاب کے ہر شہر اور قصبہ میں آفت ڈھا دیں گی۔

من قاش فروشِ دلِ صد پارہ خویشم

جہلم کے سرفروشوں نے مجھے بھی دعوتی خط بھیجا ہے۔ پنجاب کے پچاس ہزار سرفروش جمع ہو رہے ہیں۔ بھائیو! میں تو اس دعوت نامہ کو پڑھ کر گھبرا گیا۔ میں نے ان کو لکھا کہ میں جہلم نہیں آسکتا۔ وہاں تو وہی شخص

آ سکتا ہے جو سر فروش ہو۔ میں تو دل فروش ہوں۔ اگر کوئی دِل فروشوں کا اجتماع ہو تو فقیر کو بھی یاد کر لینا۔

صاحبو! خدا کا شکر ہے کہ برسوں کے بعد سرفروشی کا لفظ تو سننے میں آیا اگرچہ قبل از وقت ہے۔ زندگی اور حیات کے شوق میں کوئی حرکت ایسی نہ کر بیٹھنا کہ پھر کچھ دنوں کے لئے دھکیل دیئے جاؤ۔ عدم تشدد پر قائم رہتے ہوئے ہر قدم اُٹھانا چاہیئے۔ آہستہ چلنا اُس تیز گامی سے بدرجہا بہتر ہے جس میں آدمی لنگڑا ہو کر بیکار ہو جائے۔ میں مجلس احرار کے ارکان سے بھی درخواست کرتا ہوں مسلمانوں کو منظم کیجئے لیکن کسی دہکتی ہوئی آگ میں نہ کود پڑیئے۔ کشمیر کے بے گناہ مسلمانوں کے خون کا یہ کچھ کم فائدہ نہیں ہے کہ پنجاب کا مسلمان منظم ہو جائے۔

کشمیری مسلمانوں کے مطالبات

معزز حاضرین مجلس احرار کے معزز ارکان کی..

سرفروشیوں کا یہ خلاصہ ہے کہ آج کشمیری مسلمانوں کے مطالبات حکومتِ کشمیر کے روبروپیش ہیں۔ آپ کے نزدیک مطالبات بہت نرم ہیں مگر میں عرض کرتا ہوں، حکومت کشمیر منظور کرے تو بہت ہیں اور اگر نہ مانے تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ وفد احرار کے خلاف جو سازشیں ہو رہی ہیں، اُن سے میں غافل نہیں ہوں۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی دفعہ ۱۲۴ اس سازش کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور مرزا محمود کی زندہ کرامت ہے کیوں نہ ہو آخر ایک نبی کا بیٹا ہے خواہ جھوٹے ہی نبی کا سہی۔ لیکن جس کے باپ کی بد دعا سے سینکڑوں انسان موت کے گھاٹ اُتر چکے ہوں۔ حتیٰ کہ خود بھی اپنی بد دعا سے مرا ہو، کیا اُس کے بیٹے میں اتنی بھی کرامت نہ ہوگی کہ ایک سید پہ اسکی بد دعا سے دو مقدمے ۱۲۴ کے چل جائیں اور کیا اُس کی بد دعا میں اتنا بھی اثر نہ ہوگا کہ وفد احرار کو کشمیر سے رخصت کر دیا جائے اور معاملہ گورنمنٹی وفد سے

کیا جائے۔

دکھ بھریں بی فاختہ کوّے انڈے کھائیں

پیٹے جائیں احراری، نیزے کھائیں احراری، ڈھور ڈنگروں کی ٹھوکریں کھائیں احراری، سنگینوں سے کچلے جائیں احراری، بھوکے اور پیاسے رہیں احراری۔ غرض ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تو احراری لیکن مصالحت و مفاہمت کے ذمہ دار قادیانی، گورنمنٹ کی ہمدردی کے مستحق قادیانی، ملازمت اور وزارت کے حقدار قادیانی۔

حضرات، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس پر بھی احراریوں کو تعجب نہ ہونا چاہیئے شیر کا پس خوردہ ہمیشہ گیدڑ اور لومڑیاں ہی کھایا کرتی ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کو حقوق مل جائیں۔ ان کے مطالبات پورے ہو جائیں۔ ان کو ذمہ دار اسمبلی مِل جائے۔ اس سلسلے میں اگر مرزا محمود اور ان کی حامی گورنمنٹ کا بھی کچھ مقصد پورا ہوتا ہو تو ہو جائے ہم کیا کریں۔ اسکی ذمہ داری حکومت کشمیر پر اور ہندو اخبارات ہی پر عائد ہوتی ہے۔ احراری اس کے ذمہ دار نہیں ہیں اگر مہاراجہ اس معاملے کو طول نہ دیتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔ اگر ابتداہی میں مسلم رعایا کو خوش کر دیتے یا پنجاب کے ہندو اخبارات کو غلط اُمیدیں نہ دلاتے یا ایک اور بزرگ کی آرزو پوری کر دیتے تو شاید یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔ بہرحال اب مطالبات پیش ہو چکے ہیں اور دیکھنا ہے کہ مہاراجہ کا حُسن تدبیر کہاں تک اُنکی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

کانگریس کے مخالف اور کشمیر کے حامی

حضرات اس سلسلے میں مجھے ایک دلچسپ سوال بھی کرنا ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کشمیر میں جو جھگڑا ہو رہا ہے وہ حقوق کا ہے۔ وہاں کی رعایا اپنی حکومت سے حقوق طلب کر رہی ہے۔ وہاں

کوئی فرقہ وارانہ جھگڑا نہیں ہے۔ اس حقوق طلبی کا احساس خواہ باہر کے لوگوں نے پیدا کیا ہو یا خود وہاں کی مظلوم رعایا کے قلوب میں روز بروز کے مظالم سے تنگ آکر پیدا ہوا ہو۔ بہرحال جھگڑا حقوق کا ہے۔ حکومت ڈوگروں کی ہے اور رعایا کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ بالکل کشمیر کے مسلمانوں کی وہی پوزیشن ہے جو برطانوی حکومت میں انڈین نیشنل کانگریس کی ہے۔ کانگریس بھی انگریزوں سے ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کرتی ہے۔ انگریز حکومت پس و پیش کرتی ہے۔ کانگریس سول نافرمانی کرتی ہے حکومت گرفتار کرتی ہے، لاٹھیاں مارتی ہے، پشاور میں سینکڑوں بے گناہوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا ہے، عورتوں کا جلوس نکلتا ہے تو پولیس گرفتار کرتی ہے۔ دو چار واقعات لاٹھی چارج کے ایسے بھی ہوئے ہیں جن میں عورتوں کو تکلیف پہنچائی گئی لیکن یہی لوگ جو آج کشمیری مسلمانوں کی حمایت کر رہے ہیں کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں، عورتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ پولیس کی امداد کرتے ہیں، ہڑتال ہوتی ہے تو یہ لوگ دوکانیں کھولے بیٹھے رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے ہندو عورتوں کا مذاق اڑایا میں اُن سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان مسلم خواتین کے متعلق جناب کا فتویٰ کیا ہے جو کشمیر میں جلوس بنا کر نکلیں۔ جو لوگ باوجود اس ظلم و ستم کے حکومت کشمیر کی حمایت کر رہے ہیں اُنکے متعلق تو آپکی رائے ظاہر ہے لیکن جو لوگ گول میز کانفرنس میں جاکر حکومت کی حمایت کر رہے ہیں اُن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف مسلمانانِ کشمیر کی آزادی کے لئے جد و جہد جاری ہے اور دوسری طرف اپنی آزادی کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔

حضرات! مجھے تو ان لوگوں پر سخت حیرت ہے میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ آخر ان حضرات کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے اور ان کی دیانت کا کس طرح یقین کیا جائے جو آج کشمیر کے معاملے میں تو پیش پیش ہیں لیکن کانگریس کے

معاملہ میں کل گالیاں دے رہے تھے۔ اگر کشمیر کی رعایا کو یہ فطری حق ہے کہ وہ ایک مستبد حکومت سے آزادی حاصل کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی موافقت نہ کی جائے اور اس میں کوئی حصہ نہ لیا جائے۔ بہرحال میں خوش ہوں کہ آزادی کے دشمنوں کو آزادی کا خیال تو آیا جو آج کشمیر کے لئے آزادی طلب کر رہے ہیں۔ شاید کل ہندوستان کی حمایت میں بھی آواز بلند کریں۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا ۝

جتندر ناتھ داس کی دردناک موت

اور

حکومت کی سنگدلی

معزز صدر اور حاضرین جلسہ۔ مجھے ایک عرصہ کے بعد یہ موقع میسر ہوا ہے کہ میں ایک ایسے جلسہ میں تقریر کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں جہاں ہندو اور مسلمان دونوں جمع ہیں۔ میری خواہش تھی کہ آج میں کسی قدر مفصل تقریر کرتا اور اپنے خیالات کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا لیکن میرے علاوہ اور معزز حضرات بھی اس جلسہ میں موجود ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے کوئی طویل تقریر کی تو شاید ان کے خیالات معلوم کرنے کا وقت نہیں رہے گا اور معاملہ اس قدر اہم ہے کہ ہر ہندوستانی کو اس پر خیالات ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک ہندوستانی کا تریسٹھ دن بھوکا اور پیاسا رہ کر جان دے دینا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جو قوموں کی تاریخوں میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جایا کرتے ہیں۔ اور آنے والی نسلیں اس قسم کے واقعات پر ہمیشہ فخر کیا کرتی ہیں۔ (چیرز اور نعرے)

معزز حاضرین! آپ کو صرف اس قدر معلوم ہوگا کہ ایک شخص جس کا نام جتندر ناتھ داس تھا وہ لاہور کے جیل خانہ میں فاقہ کرتے کرتے مر گیا

لیکن نہ تو آپ ہنگر اسٹرائک کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ آپ بھوک ہڑتال کو جانتے ہیں۔ یہ چیزیں وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے دن جیل خانہ کی کوٹھریوں میں گزارے ہیں۔ جو لوگ تنگ و تاریک کوٹھریوں میں اپنی عزیز زندگی کو نذرِ قوم و ملک کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کون سمجھ سکتا ہے کہ ہنگر اسٹرائک کس بلا کا نام ہے اور ہنگر اسٹرائک کسے کہتے ہیں۔

حضرات! ہنگر اسٹرائک اسیرانِ بلا کے اُس مظلوم ایجی ٹیشن کا نام ہے جو انتہائی بے بسی اور بےکسی کے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک قیدی جب یہ دیکھتا ہے کہ مغرور حکام اس کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتے تو وہ مجبوراً کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے تاکہ سخت دل حُکام یہ سمجھ لیں کہ اگر یہ مطالبہ منظور نہیں کیا گیا تو قیدی فاقوں سے اپنی جان دے دیگا۔ یہ ایجی ٹیشن یعنی مظاہرہ ایسے ہی وقت شروع کیا جاتا ہے جب مظلوم قیدی ہر طرح اپنے مطالبات منوانے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اس وقت جس مطالبہ کی بنا پر یہ مظاہرہ شروع ہوا وہ اس قدر معمولی مطالبہ ہے کہ اگر گورنمنٹ اس کو تسلیم کر لیتی تو نہ گورنمنٹ کے پرسٹیج کو کوئی صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا اور نہ ہندوستان کے خزانہ پر کوئی اثر پڑتا تھا ایک پولٹیکل قیدی کا یہ مطالبہ کہ اگر میں گورنمنٹ کی نگاہ میں واقعی مجرم یا ملزم ہوں اور گورنمنٹ کے نزدیک حصولِ آزادی کی جدوجہد واقعی کوئی بہت بڑا جرم ہے تو کم از کم ان قیدیوں کے ساتھ جیل میں وہ سلوک تو کیا جائے جو ایک سولجر اور گورے یورپین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیا ایک یورپین اخلاقی مجرم اتنا وقیع اور ذی حیثیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہندوستانی خواہ وہ کتنا ہی شریف اور خوددار

مجرم کیوں نہ ہو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ کیا ایک ہندوستانی پولیٹیکل قیدی ایک یوربین بدمعاش کے برابر بھی نہیں ہے؟ جتندر ناتھ داس اور اُس کے رفقاء کا یہ مطالبہ کہ ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو ایک یوربین کے ساتھ کیا جاتا ہے، کوئی ناجائز مطالبہ نہ تھا۔ اس مطالبہ کی سچائی سے کوئی شریف آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک سنجیدہ انسان بشرطیکہ اس میں انسانیت کا کوئی حصہ بھی باقی ہو، اس مطالبہ کی سنجیدگی پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ لیکن گورنمنٹ جس کے غرور و تکبر نے پھر اعادہ کیا ہے اور ۹ سال کے بعد پھر دوبارہ اپنی پرسٹیج کو قائم کرنے کی خواہشمند ہے اور جو ہندوستان کے شرفاء کو ذلیل کرنے پر کمربستہ ہے، اُس نے اس معمولی سے مطالبہ کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس بے اعتنائی کے ہاتھوں اس نے قیدیوں کو مرنے پر مجبور کر دیا (نعرۂ شمیم)

معزز حاضرین! آپ جانتے ہیں کہ بھوکا رہ کر مرنا کوئی آسان کام نہیں۔ پیٹ ایک ایسی بُری بلا ہے کہ انسان پیٹ کے لئے سب کچھ کرتا ہے کیونکہ کھانا کسی انتہائی مجبوری میں ترک کیا جاتا ہے۔ پھر کھانا بھی اس طرح کہ ترک طعام کے باعث جان دے دی جائے۔ یہ کون کر سکتا ہے۔ مجھے اس وقت جان دینے والے کی شخصیت سے بحث نہیں۔ اس نے اپنے مطالبہ کو یقیناً اس قابل سمجھا کہ اس کے لئے جان دے دی۔ خودکشی اگرچہ مذموم ہے۔ لیکن سوال تو اس وقت ان شقی القلب اور سنگدل حکام کا ہے جنہوں نے داس کو سسک سسک کر جان دیتے ہوئے دیکھا اور ان کے دل میں رحم نہ آیا۔ مرنے والوں کا تو ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ اُنہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی ہے (نعرۂ تحسین)

میرے دوستو! سوال تو یہ ہے کہ گورنمنٹ کی یہ سنگدلی کہاں تک قرین انصاف ہے۔ اس واقعہ سے اتنی بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس دفتری اقتدار کے سامنے ایک ہندوستانی محب وطن کی جان کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ گورنمنٹ اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے ایک ہندوستانی مخلص فرزند کو پورے ترسٹھ ۶۳ دن بھوکا رکھ کر مرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر اس دفتری حکومت کا یہی عدل و انصاف ہے تو میں صاف طور پر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ داس کی لاش درحقیقت گورنمنٹ کے عدل و انصاف اور ادعائے مساوات کی لاش ہے جس جنازے کو آپ آج ریل پر دیکھنے گئے وہ جتندر ناتھ داس کا جنازہ نہ تھا بلکہ عدل و انصاف اور مساویانہ سلوک کا جنازہ تھا جس کا راگ گا کر آج تک ہندوستانیوں کو دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔

آج ان دعاوی باطلہ کی حقیقت پوری طرح نمایاں ہو گئی جنکو برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہمیشہ ہمارے سامنے نہایت زوردار الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ کالے اور گورے کو یکساں سمجھنے اور ایک آنکھ سے دیکھنے کا یہی مطلب تھا جو آج داس کی موت کے رنگ میں ظاہر ہوا۔

میں صرف ایک آخری اور مختصر بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ نے اس پر غور کیا ہے کہ اس قسم کے واقعات کیوں پیش آئے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہندوستانی اپنی پوزیشن پر غور کریں۔ اگر آپ اس ذلت کی زندگی کو برداشت کر سکتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ ہندوستان کی باہمی آویزش سے یہ ضرور خیال ہوتا تھا کہ آزادی اور سوراج میں تاخیر ہو گی جو چیز دس سال میں مل سکتی تھی وہ ممکن ہے کہ سو سال میں دستیاب ہو لیکن یہ خیال نہ تھا کہ گورنمنٹ ہماری

باہمی آویزش سے اس قدر ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اتنے ذلیل اور افسوسناک ہتھیاروں پر اُتر آئے گی (نعرہ)

میرے معزز دوستو! ہندوستان کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ایک قوم خواہ کتنی ہی اکثریت میں کیوں نہ ہو سوراج حاصل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ خواہ کوئی جماعت کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ جب تک ملک کا ہر فرد مل کر کوشش نہ کرے گا کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ملک کا کوئی عضو خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر اس کو چھوڑ کر آزادی کی راہ طے کی جا سکتی ہے تو میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ یہ نہایت افسوسناک ذہنیت ہے اور اس کا ازالہ ہونا ضروری ہے۔

میرے دوستو! جبتک یہ غلط ذہنیت دور نہ ہوگی ہندوستانی ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر ہماری باہمی آویزش کسی رواداری اور اتحاد باہمی پر ختم نہ ہوئی تو اس سے زیادہ افسوسناک واقعات کے ظہور پذیر ہونیکا اندیشہ ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آج یہ بدنصیب ملک باہمی آویزش اور بداعتمادی میں مبتلا نہ ہوتا تو برطانیہ کی ہرگز یہ ہمت نہ ہوتی اور اس کے مغرور حکام کو یہ جرأت کبھی نہ ہوتی اور نہ وہ اس بیدردی سے قیدیوں کے مطالبات کو ٹھکراتے۔ یہ دفتری اقتدار ہمیشہ قوت سے دبتا ہے۔ کاش اگر آج فضا درست ہوتی اور ہمارے دل صاف ہوتے تو ہم دیکھتے کہ کس طرح ہمارے مطالبات سے بے اعتنائی برتی جاتی۔ اگر اب بھی ہندوستانی اپنی حالت کو درست کرلیں تو میں یقیناً عرض کرتا ہوں کہ موجودہ مطالبہ تو بہت ہی کم درجہ کا مطالبہ تھا۔ آپ اس حکومت سے بڑے سے بڑا مطالبہ منوا سکتے ہیں کیونکہ یہ حکومت ہمیشہ طاقت کے سامنے جھکتی ہے۔

معزز حاضرین! آپ مجھے معاف فرمائیں۔ میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا جس چیز نے مجھے ایک عرصہ کے بعد اس جلسہ میں آنے کے لئے مجبور کیا وہ صرف دفتری اقتدار کا غرور و تکبر ہے جس کے اسباب کو دیکھ کر میں مجبور ہو گیا ہوں کہ ایک دفعہ اور آپ کو اپنی درد بھری کہانی سُنا کر اپیل کروں اور خدا سے دعا کروں کہ وہ ہندوستان کو خود اپنی عزّت و آبرو کے تحفظ کی توفیق عنایت فرمائے ‪:‬

نوٹ:۔ یہ تقریر آپ نے دہلی کے ایک عام جلسہ میں فرمائی

(۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء)

آج ہم نے ایک مکمل لائبریری کو سپردِ خاک کر دیا

حضرات! میں نے صدارت کی تحریک کے سلسلے میں عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صحیح حالات اور ان کے حقیقی اوصاف و کمال تو حضرت مفتی صاحب قبلہ ہی بیان فرمائیں گے کیونکہ:-

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

حضرت مفتی صاحب قبلہ نہ صرف شاہ صاحب کے ہمعصر اور ہم سبق ہیں بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کے فخر میں دونوں شریک ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ایک ہی چشمۂ فیض کے دو دریا ہیں۔ جو ایک ہی منبع سے جاری ہوتے ہیں یا ایک دریا کی دو نہریں یا ایک بحرِ ناپیدا کنار سے نکلے ہوئے دو سمندر ہیں اس لئے حضرت شاہ صاحب کے متعلق صحیح معلومات اور حقیقی حالات تو مفتی صاحب بیان فرمائیں گے۔ مجھ جیسا جاہل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و فنون اور ان کے کمالاتِ ظاہریہ و باطنیہ کے متعلق کیا عرض کر سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جو سمندر کے کنارے کھڑا ہوا ہو اور جس نے کبھی سمندر میں قدم بھی نہ رکھا ہو اور جس کو سمندر کی گہرائی اور عمق میں کبھی غوطہ

لگانے کی نوبت نہ آئی ہو وہ اس ... تجربہ کار غوّاص کے متعلق کیا رائے ظاہر کر سکتا ہے جو ہمیشہ سمندر کے عمق میں سے موتی نکالا کرتا ہو جس نے بڑے بڑے طوفانوں میں جہازرانی کی خدمت انجام دی ہو۔ اور جو تمام خطرناک طوفانوں کا مقابلہ کرتا رہا ہو، اور جس نے بڑے بڑے جہازوں کی ناخدائی کی ہو، اور جو بڑے بڑے سمندروں کی شناوری کا فخر حاصل کر چکا ہو۔ اُس کے اوصاف و کمالات وہ خشکی کا کیڑہ کیا بیان کر سکتا ہے جس نے سمندر کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ جس طرح ایک خشکی کا کیڑا اور ناآشنائے بحر اس مگرمچھ کے کمالات ظاہر کرنے سے عاری ہے جو چوبیس گھنٹے پانی کی گہرائیوں اور سیلاب کے بے پناہ جھکولوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اسی طرح مجھ جیسا جاہل حضرت مولانا سیّد انورشاہ صاحب کے کمالات و اوصاف کے بیان سے قاصر و عاجز ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ط

علم کی فضیلت

حضرات! میں چاہتا ہوں کہ اس مختصر وقت.... میں آپ کے سامنے صرف تین باتیں عرض کروں ایک علم کے متعلق، دوسری علماء کے متعلق اور تیسری حضرت شاہ صاحب کی وفات کے سلسلے میں۔ علم کی فضیلت کا تذکرہ آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ بالخصوص عربی مدارس کے جلسوں میں تو عام طور پر علم کے فضائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ علم کی شان اور اُس کا مرتبہ صرف اس دعا سے معلوم ہو سکتا ہے جو اللہ جل ذکرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کو ایک دعا تعلیم فرماتے ہیں۔ یعنی ہمارے حبیب ہم سے فلاں چیز طلب کرو۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ایک چیز اپنے حبیب کو دینا چاہتے ہیں تو وہ کیا چیز ہوگی۔ پھر دینا بھی اس طرح چاہتے کہ خود فرماتے ہیں کہ پہلے مجھ سے مانگو تاکہ اس شئے

کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے۔ خیال ہوتا تھا کہ شاید مال و دولت طلب کرنے کی ہدایت کی جائے گی یا اولاد کی طلب کے متعلق ارشاد کیا جائے گا یا کہا جائے گا جنت مانگو لیکن دیکھئے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے قُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ط آپ ہم سے علم کی زیادتی طلب کیجئے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب نے اپنے محبوب کے لئے جو چیز مفید اور نافع اور ان کی شان کے لائق ضروری سمجھی اور جس کے طلب کرنے کی ہدایت کی وہ علم کی زیادتی تھی جس پیغمبر کی شان میں وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ اور وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ارشاد فرما چکے تھے اُسی پیغمبر کو تعلیم فرماتے ہیں کہ زیادتی علم ہم سے طلب کرو۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ علم کا مرتبہ اور علم کی شان کس حد تک بلند ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں اور بھی عرض کیا جا سکتا ہے لیکن قلتِ وقت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے صرف ایک ہی بات پر اکتفا کرتا ہوں۔

عُلماء کی فضیلت

معزز حاضرین! ہر چند کہ علم کی فضیلت سے اہل علم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق صرف ایک حدیث بیان کر دوں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے بارہا اہل علم کی فضیلت کا بیان سُنا ہوگا کہ طالبانِ علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مچھلیاں دریاؤں میں اور چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں علماء کی بقا و زندگی کے لئے دعا کیا کرتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قیامت میں شہداء کا خون اور مفتیانِ دین کے فتاویٰ کی سیاہی یہ دونوں چیزیں ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ وزن کی جائیں گی تو فتاویٰ کی سیاہی کا وزن شہداء کے خون کے وزن سے زیادہ ہوگا۔ حالانکہ خون ایک بہت وزنی چیز ہے۔ لیکن اہلِ علم کے فتووں

کی سیاہی اُس وزن پر بھی غالب آجائے گی۔

آپ کو شاید پتہ ہو گا کہ علماء دُنیا میں علم الٰہی کے خیمے ہیں۔ جب کوئی عالم مرجاتا ہے تو گویا علم الٰہی کا ایک خیمہ زمین سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔ اہل علم اور حضرات علماء کا وہ گروہ ہے جن کی ضرورت مسلمانوں کو جنت میں بھی پیش آئے گی۔ حالانکہ جنت عمل کی جگہ نہیں ہے۔ وہاں کسی عمل پر استفتا نہ ہو گا۔ بلکہ طلب انعامات کے سلسلہ میں علماء کی ضرورت واقع ہو گی حضرت حق کی طرف سے گھڑی گھڑی انعامات کی طلب کا تقاضا ہو گا۔ کہا جائے گا مانگو کیا مانگتے ہو اب یہ کون بتائے کہ کیا مانگا جائے۔ اس لیے اہل علم کی ضرورت ہو گی کہ ہماری رہنمائی کیجئے اور ہم کو بتلائیے کہ ہم اللہ جل ذکرہ سے کیا مانگیں۔ یہ تمام وہ فضائل ہیں جو آپ کو بارہا سننے کا اتفاق ہوا ہو گا۔ لیکن میں آپ کو صرف ایک روایت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنا کم ط اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاہل عابد پر عالم کی فضیلت کو اسطرح بیان فرمایا ہے اور اسطرح تشبیہہ دی ہے کہ ایک عابد پر عالم کو ایسی بزرگی حاصل ہے جیسے میری بزرگی ایک ادنیٰ مسلمان پر۔ اب آپ خیال کیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایک اُمتی پر کسقدر بلندی اور برتری حاصل ہے۔ کہاں حضورؐ کی ذات اقدس اور کہاں آپکا ایک ادنیٰ اُمتی۔ جو فرق ان دونوں مرتبوں کے مابین ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم کے مابین ہے۔

حضرت شاہ صاحب

معزز حاضرین! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ مجھے حضرت شاہ صاحب کی ذات کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ اگرچہ ان کے حقیقی کمالات و اوصاف تو مفتی صاحب ہی بیان فرمائیں گے۔

حضرات! میں اس امر کو ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو ہندوستان میں جو کچھ علمی اثرات اور اہلِ علم کا وجود نظر آرہا ہے۔ یہ سب دہلی کے اُس خاندان کا فیض ہے جو شیخ نزور کے چھتے میں دفن ہے اور جس کا یہ احسان ہے کہ اُس نے ہندوستان کو احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس خاندان کو خدمتِ حدیث کا شرف حاصل ہے وہ شاہ عبدالرحیم صاحب کا خاندان ہے اُسی خاندان کے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ تمام حضرات اسی مبارک خاندان کے افراد ہیں۔ ان میں بعض حضرات ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور بعض آج بھی شیخ نزور کے چھتے میں جس کو آج مہندیان کہتے ہیں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ دہلی والے جانتے ہوں گے کہ ایک زمانہ ہوا جب اس قبرستان کی مسجد میں شبینہ بھی ہوا کرتا تھا۔ یہی قبرستان ہے کہ جہاں علم کے سمندر کے سمندر دفن ہیں۔ آج جو علماء دیوبند کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً مولانا رشید احمد صاحب مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب اسی خاندان کے شاگرد ہیں۔ گویا دارالعلوم دیوبند اس تلاطم خیز سمندر کا ایک ٹکڑا ہے جو کبھی ترکمان دروازے کے باہر موجیں مارا کرتا تھا اور جس کی بے پناہ طغیانیاں سچ مچ آسمان سے باتیں کرتی تھیں اور آج بھی جس کی خاموش روانی اہلِ بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

حضرات! دیوبند اُسی خاندان سے عبارت ہے جس کا نام شاہ عبدالرحیم صاحب کا خاندان ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے لوگوں کو جس طرح علم ظاہر اور باطن میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے خاندان سے منسوب کیا جاتا ہے

اسی طرح علم باطن میں ان لوگوں کی نسبت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جو خلیفہ تھے میاں جی نور محمد صاحبؒ کے۔.....

شاہ عبدالرحیم دہلوی اور میاں جی نور محمد جھنجھانوی

میری اس مختصر سی تفصیل کے بعد یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ دار العلوم دیوبند میں جو کچھ ہے وہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی اور میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ جو چمن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے ایک چمنہ میں لگایا تھا جس کو شیخ محمود کا چمنہ کہا جاتا تھا۔ اسی چمن کی یہ عطر بیزیاں اور اسی گلستان کے یہ پھول ہیں جن سے آج نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا ان کی خوشبو سے مہک رہی ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بنجر اور خشک زمین میں اپنے کمالات علمیہ کی تخم ریزی کی تھی اور اس دار الحرب میں قرآن اور حدیث کی اشاعت اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شروع کیا تھا خدا کا شکر ہے کہ شاہ صاحب کی یہ مخلصانہ سعی مشکور اور بار آور ہوئی۔ اسی خشک زمین میں علم نبوی اور علم الٰہی کے سمندر ناپید اکنار بنا کر بہے اور چمنستان نبوی کی شاخیں دہلی اور دیوبند سے گزرتی ہوئی تمام عالم پر سایہ فگن ہوئیں۔

حضرات! مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کون تھے۔ اسی چمن ولی اللہی کے ایک بار آور اور ثمر دار درخت تھے۔ جو اپنے گنجان سایہ سے تمام عالم کو مستفید کر رہے تھے۔ اور جس درخت کے شیریں پھلوں سے ایک عالم اپنی گرسنگی کو دور کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب ایک فیض جاری کے ایسے سرو اور شیریں

چشمہ فیض جس کے پانی کا بہاؤ نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ تمام عالم اسلامی اسی چشمہ سے سیراب ہو رہا تھا۔ اس کا منبع اگرچہ دیوبند میں تھا لیکن اس کا دھارا چین، بخارا، جاوا، مصر اور ترکی میں پڑتا تھا۔

برادران محترم! ایسے باکمال حضرات کیا روز روز پیدا ہوتے ہیں۔ صدیوں میں کہیں امت میں ایسے آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کا علمی تبحر، ان کا حافظہ ان سے دریافت کیجئے جن لوگوں کو شرف صحبت حاصل ہے۔ مرحوم حافظ ابن تیمیہؒ کو بحر لا ساحل لہٗ فرمایا کرتے تھے لیکن خود بھی شاہ صاحب بحر لا ساحل لہٗ تھے۔ حافظہ کی یہ حالت تھی کہ برسوں کی پڑھی ہوئی کتاب کو جب کسی حوالے کی غرض سے کھولا کرتے تھے تو فرماتے تھے حسبنا اللہ ونعم الوکیل یہ جملہ کہہ کر کتاب کھولا کرتے تھے اور وہی صفحہ نکل آیا کرتا تھا جہاں سے شاہ صاحب کو حوالہ دینا مقصود ہوتا تھا۔ ابھی آپ نے مولانا سلطان محمود صاحب سے سنا کہ فتح القدیر جیسی بڑی کتاب شاہ صاحب نے اکیس دن میں ختم کر دی تھی ایک دفعہ شاہ صاحب غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں حیات الحیوان کا ذکر نکل آیا۔ فرمانے لگے ہاں دمیری نے خوب کتاب لکھی ہے۔ میں نے تین دفعہ اس کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔

کسی کتاب کا شاہ صاحب کے سامنے نام لیجئے۔ وہ کتاب نہ صرف شاہ صاحب کی پڑھی ہوئی ہوگی بلکہ اس کی عبارتیں کی عبارتیں اور صفحات کے صفحات شاہ صاحب کو حفظ یاد ہوں گے۔ کسی واقعہ کا تذکرہ شاہ صاحب کے سامنے آیا اور شاہ صاحب نے اس کے تمام متعلقات بیان کرنے شروع کر دیئے مطبوعہ کتب کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کو صدہا قلمی کتب کی عبارتیں محفوظ تھیں جو کتابیں آج تک پریس اور مطابع کی مرہون منت نہیں ہیں۔ شاہ صاحب کو

اُن کے بھی صفحات حفظ تھے۔ شاہ صاحب سے کسی مسئلہ میں گفتگو کیجئے اور کسی وقت کیجئے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب اس مسئلہ کے لئے بڑی دیر سے منتظر بیٹھے ہوئے اس امر کا انتظار کر رہے تھے کہ یہ مسئلہ کوئی مجھ سے دریافت کرے اور میں اس کا جواب دوں۔

زندہ لائبریری معزز حاضرین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے دوشنبہ کی شام کو دیوبند کی خاک میں کسی انسان کو دفن نہیں کیا ہے۔ بلکہ آپ نے ایک مکمل لائبریری کو سپردِ خاک کر دیا ہے۔ آپ نے ایک ایسے مکتبہ کو خاک میں ملا یا ہے جس میں ہر فن کی بے شمار کتابیں الماریوں میں بجی ہوئی تھیں۔ آپ نے ایک ایسے کتب خانہ کو زمین کی تہہ میں چھپا دیا ہے جس کی کتابیں احاطہ اعصار وشمار سے خارج تھیں۔ ہائے مسلمانوں کی بدقسمتی، ہائے قوم کی حرماں نصیبی کیا چیز ان کے ہاتھ سے تلف ہو گئی۔ ہم جیسے جاہلوں کی ہزاروں زندگیاں بھی شاہ صاحب پر قربان کر کے شاہ صاحب کو زندہ رکھا جاتا تب بھی شاہ صاحب کی زندگی بہت سستی تھی۔ کسی لائبریری میں تو کتاب کے تلاش کرنے اور عبارت کو ڈھونڈنے میں کچھ دِقّت ودشواری بھی ہوتی ہے لیکن حضرت شاہ صاحب کے استحضار کی تو یہ حالت تھی کہ اِدھر سائل کے منہ سے فقرہ نکلا اور اُدھر شاہ صاحب نے کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کی۔

دُنیا سے بے رغبتی اس علمی تبحر اور کمالاتِ ظاہری اور باطنی کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ کی یہ حالت تھی کہ جس طرح وہ اپنے علم میں تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔ اسی طرح زہد وتقویٰ اور اپنے ورع وپرہیزگاری میں بھی بے مثل تھے۔ کون نہیں جانتا کہ

ان کو ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بار بار طلب کیا۔ بڑی بڑی تنخواہیں پیش کی گئیں۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں وفود حاضر ہوئے لیکن شاہ صاحب نے کبھی بڑی تنخواہ کو ترجیح نہیں دی اور ہمیشہ دیوبند اور ڈابھیل کے خشک ٹکڑوں کو پسند فرمایا۔ ۱۳۴۵ھ ہجری میں پہلی مرتبہ دیوبند سے تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ امینیہ کی وہ ابتدائی حالت تھی۔ میں کیا عرض کروں کہ مولانا امین الدین اور مولانا انور شاہ صاحبان نے کس عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ اس کی پوری تفصیل تو حضرت مفتی صاحب آپ کے روبرو بیان کریں گے۔ ان واقعات کو کم و بیش تیس پینتیس سال گذر چکے ہیں۔ آج ان باتوں کے جاننے والے شاید چند ہی حضرات ہوں گے۔

حضرات!

شاہ صاحب کی موت کا صدمہ جس طرح

شاہ صاحب جیسے بزرگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایسے بزرگوں کی موت صدیوں قدرت کے آنسو رلایا کرتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ موت ہر شخص کو آتی ہے۔ موت سے بچنے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی موت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی اکابر وفات پا چکے ہیں۔ قدرت کا یہ خاص شغل ہے۔ وہ ہمیشہ بناتی بگاڑتی رہتی ہے۔ خود ہی ایک پودے کی پرورش کرتی ہے۔ اس میں پھل اور پھول پیدا کرتی ہے۔ اس کی ہری ہری ٹہنیوں کو ٹھنڈا اور خوشگوار سایہ عطا کرتی ہے۔ ایک چھوٹے سے پودے کو اتنا اونچا کرتی ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ جب یہ پودہ عجائبات قدرت پر ایک شاہد ہو جاتا ہے تو اس کو فنا کر دیتی ہے اور قدرت اس حصۂ زمین کو

اُن پودوں کے لئے خالی کرالیتی ہے جو بیج کی خاموشیوں اور تخم کی گہرائیوں میں گوشہ نشین ہوا کرتے ہیں۔ الغرض قدرت کا یہی کام ہے۔ موت وحیات روز مرّہ کا کھیل ہے۔ نہ کسی کی زندگی مسرت افزا ہے۔ نہ کسی کی موت روح فرسا ہے اور یہی مطلب ہے لِکَیْلَا تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ کا۔

میرے معزز دوستو! میں اسے تسلیم کرتا ہوں میں بھی سمجھتا ہوں کہ قدرت من حیث الموت شاہ صاحب کی موت کوئی نئی نہیں ہے۔ لیکن میرے بھائی شاہ صاحب کی موت ایسے زمانہ میں واقع ہوئی ہے جو زمانہ ہے قحط الرجال کا۔ جو دور ہے فقدانِ کمال کا۔ شاہ صاحب اگر ایسے عہد میں مرتے کہ جس زمانہ میں شاہ صاحب کا جواب اور ان کا مثل ممکن یا موجود ہوتا تو یقیناً اس قدر صدمہ اور رنج کی ضرورت نہ تھی۔ اگر آج بھی مرنیوالا اپنے بعد دو چار آدمی اپنے جیسے چھوڑ جاتا تو اس قدر آہ وبکا کی ضرورت نہ تھی۔ رونا تو یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ایسے زمانہ میں وفات پائی ہے جبکہ ان کا قائم مقام کوئی نظر نہیں آتا۔ قلق تو یہ ہے، غم تو یہ ہے، صدمہ تو اسی کا ہے کہ اس فقدانِ رجال کے عہد میں شاہ صاحب کی موت ایک ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب ہے۔ مستقبل قریب تو قریب، میں تو عرض کرتا ہوں مستقبل بعید میں بھی شاہ صاحب کی تلافی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔

سعید بن جبیر اور حجاج کا واقعہ

آپ حضرات نے غالباً حجاج کا نام سنا ہوگا یہ وہ ظالم ہے جس کے دامن پر ستر ہزار بے گناہوں کے خون کے دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ اسی کے متعلق حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام انبیاء اپنی امتوں کے ظالم قیامت میں لے کر آئیں تو امت محمدیہ کی طرف سے فقط حجاج ہی کا

کا وجود نا مسعود سب کا جواب ہو جائے گا۔

حجاج مروانیوں کے دور میں امیر تھا۔ اہل بیت اور ان کے معاونین کا بدترین دشمن تھا۔ صدہا تابعین کو تو محض اس جرم میں قتل کرا چکا تھا کہ وہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو ذریتِ رسول کیوں کہتے ہیں یہ کہا کرتا تھا کہ ذریتہ کا تعلق تو لڑکے کی اولاد سے ہوتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا ہوتا تو بے شک اس کی اولاد ذریتہ رسول ہو سکتی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو ذریتہ رسول کہنا غلط ہے۔ اسی لغو اور فاسد خیال کی بنا پر اس نے سینکڑوں علماء اور صلحاء کو قتل کر دیا تھا۔

حضرت شعبی کا واقعہ

حسنِ اتفاق دیکھئے اسی زمانہ میں ایک بزرگ علامہ شعبی بھی تھے جو اپنے عہد کے بہت بڑے تابعی تھے۔ ان کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ سیدنا حسینؓ کو ذریتِ رسول کہتے ہیں۔ اس ظالم نے ان کو بھی گرفتار کرالیا اور جب وہ دربار میں اس موذی کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے سخت غصے کے لہجے میں ان سے کہا کہ کیا تم حسن اور حسین کو ذریتہ رسول کہتے ہو؟ —— انہوں نے کہا بے شک، اس نے کہا اچھا اس بات کو قرآن سے ثابت کردو، ورنہ کھانا کھانے سے پیشتر تم کو قتل کرا دونگا۔ اور دیکھو وہ آیت نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ نہ پڑھنا۔ اس کا مطلب ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

اہلِ باطل اور گمراہ لوگوں کا ہمیشہ قاعدہ رہا ہے کہ یہ بدبخت حدیث کو چھوڑ کر قرآن سے دلیل مانگا کرتے ہیں اور اس خبیث نے تو یہ کیا کہ قرآن کی بھی ایک آیت کو مستثنیٰ کر لیا۔ اور آیت مباہلہ جو اس بارے میں بالکل صاف

بھی اس سے ان کو استدلال کرنے کو منع کر دیا۔ جب اُس نے اِس آیت کے علاوہ اُن سے استدلال طلب کیا تو حضرت شعبی نے بے ساختہ وتلک حجتنا کا رکوع پڑھنا شروع کیا اور اس رکوع کی یہ آیت کُلاً ھَدَیْنَا وَنُوحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ وَاَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھٰرُوْنَ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ وَزَکَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ط یہ پوری آیت پڑھی۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اٹھارہ نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی ذریتِ نوح میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت شعبی نے آیت پڑھ کر فرمایا اگر حضرت عیسیٰ جو مریم کی اولاد ہیں اور جن کا باپ کوئی نہیں ہے، ایک عورت کے بطن سے پیدا ہو کر حضرت نوحؑ کی ذرّیت ہو سکتے ہیں تو امام حسن اور حسین فاطمہؓ کے بطن سے پیدا ہو کر رسول اللہؐ کی اولاد کیوں نہیں ہو سکتے۔ حجاج یہ سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں نے تو آج تک اِس آیت پر غور ہی نہیں کیا۔ شعبی تم کو تمہارے علم نے میری تلوار سے بچا لیا شعبی اگر تم کہو تو تم کو کسی بڑے عہدے پر فائز کر دیا جائے اور اگر تمہاری خواہش ہو تو تم کو واپس تمہارے وطن میں پہنچا دیا جائے۔ شعبی نے جواب دیا مجھ کو تو میری جگہ پہ پہنچا دیا جائے۔ اس سے زیادہ میری کوئی خواہش نہیں ہے۔

سعید بن جبیر

حجاج نے اپنے مظالم کے آخری دَور میں حضرت سعید بن جبیر کی گرفتاری کا حکم صادر کیا اور سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا تاکہ سعید بن جبیر کو گرفتار کر کے پیش کیا جائے۔ سپاہی جب روانہ ہوئے تو ان کو طلاق وعتاق کی قسمیں دلائی گئیں۔ یہ لوگ گئے اور حضرت سعید بن جبیر کو اُنہوں نے گرفتار کر لیا۔ سپاہیوں نے حضرت

سعید سے معذرت کی اور اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ لیکن سعید خوشی خوشی ان کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک راہب کا صومعہ تھا جہاں سپاہیوں نے منزل کی، اور سعید سے اصرار کیا کہ وہ رات کو صومعہ میں رہیں۔ کیونکہ وہاں شب کے وقت شیر آیا کرتا تھا لیکن سعید نے صومعہ میں پناہ لینے سے انکار کر دیا اور سپاہیوں سے وعدہ کیا کہ مجھ سے اطمینان رکھو میں جاؤں گا نہیں۔ سپاہی رات کو صومعہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور سعید صومعہ سے باہر رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ رات کو شیر آیا اور سعید بن جبیر کے تلوے چاٹتا رہا۔ سپاہیوں نے بھی دروازے میں سے یہ واقعہ دیکھا۔ صبح کو تمام سپاہی سعید بن جبیر کی انتہائی خوشامد کرنے لگے اور اپنا قصور معاف کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ سعید بن جبیر نے فرمایا تمہارا کیا قصور ہے مجھے تو شہید ہونا ہے۔ ہاں اتنا بتا دیتا ہوں کہ میرا قتل آخری قتل ہوگا۔ میرے بعد حجاج کسی اور بے گناہ کو قتل نہ کر سکے گا۔ بہرحال سعید بن جبیر حجاج کے قلعہ میں پہنچے اور حجاج کو اطلاع دی گئی کہ ملزم حاضر ہے۔ حجاج نے سعید کو اپنے روبرو پیش کرنے کا حکم دیا۔ اور نہایت خشم آلود لہجہ میں دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے۔ سعید نے جواب میں کہا سعید بن جبیر۔ حجاج نے کہا نہیں بلکہ شقی بن کسیر۔ سعید نے فرمایا میری ماں میرا نام تجھ سے زیادہ جانتی تھی۔ یعنی نام تو اصل میں وہی ہے جو میری ماں لیا کرتی تھی۔ کیونکہ اس نے ہی نام رکھا تھا۔ اور وہی میرا نام خوب جانتی ہے اس پر حجاج نے غصہ میں کہا تو بھی بد نصیب اور تیری ماں بھی شقی۔ سعید بن نے فرمایا، غیب کا علم کسی اور ہی کو ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ شقی کون ہے اور سعید کون ہے۔ حجاج نے کہا میں تجھ کو دنیا سے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں روانہ کرتا ہوں۔ سعید نے فرمایا اگر میں سمجھتا کہ آگ میں بھیجنا تیرے قبضے میں

ہے تو شاید تجھ کو معبود بنا لیتا۔ حجاج نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیری کیا رائے ہے۔ سعید نے فرمایا وہ نبی رحمت ہیں۔ حجاج نے کہا علیؓ کے متعلق کیا کہتا ہے وہ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ سعید نے فرمایا میں نہ جنت میں گیا ہوں نہ دوزخ میں۔ مجھے کیا معلوم کہ جنت میں کون ہے اور دوزخ میں کون ہے۔ حجاج نے کہا خلفاء کے متعلق تیری کیا رائے ہے سعید نے فرمایا میں اُن پر دارونہ نہیں ہوں۔ حجاج نے کہا اچھا ان سب میں تیرے نزدیک اچھا اور عمدہ کون ہے۔ سعید نے فرمایا جو اپنے خالق کو پسندیدہ ہے حجاج نے کہا خالق کو کون پسندیدہ ہے۔ سعید نے فرمایا اس کا علم اس کو ہے جو ہر کھلی چھپی چیز کو جانتا ہے۔ حجاج نے کہا کہ میں نے سُنا ہے تو ہنستا نہیں کرتا سعید نے فرمایا جو شخص مٹی سے بنا ہے اور پھر مٹی کو آگ میں داخل ہونا ہے وہ کیا ہنسے گا۔

حجاج نے ان کے سامنے آلات لہو ولعب پیش کئے اس پر سعید بن جبیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ حجاج نے کہا سعید تیرے لئے خرابی ہو سعید نے فرمایا۔ خرابی تو اس کے لئے ہے جو جنت سے محروم رہا اور دوزخ میں داخل کیا گیا۔ حجاج نے کہا سعید تجھ کو کس طرح قتل کیا جائے اور تو کونسے طریقہ قتل کو پسند کرتا ہے۔ سعید نے فرمایا۔ یہ مجھ سے دریافت کرنے کی بات نہیں ہے تو جس طرح مجھ کو قتل کرے گا خدا تعالےٰ اسی طرح تجھ کو قتل کرے گا۔ لہذا تو خود طریقہ قتل کو پسند کر۔ جو طریقہ تجھ کو پسند ہو اسی طرح مجھ کو قتل کر دے۔ حجاج نے کہا میں چاہتا ہوں تجھ کو معاف کر دوں۔ سعید نے فرمایا اگر یہ معاف کرنا اللہ کی جانب سے ہو تو میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ اور اگر تیری طرف سے ہو تو مجھ کو قبول نہیں۔ حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ لیجاؤ اس کو قتل کر دو۔ سعید کو جلاد لیکر جب

دروازے پر پہنچا تو سعید ہنس دیئے۔ حجاج نے کہا اس کو لوٹا کر لاؤ۔ جب دوبارہ حاضر کئے گئے تو حجاج نے دریافت کیا تم کیوں ہنسے۔ سعید نے فرمایا تیری جرأت اور اللہ کے حلم پر مجھ کو ہنسی آگئی۔ حجاج نے حکم دیا ہمارے سامنے اس کو قتل کر دو۔ چنانچہ آپ قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ط حجاج نے کہا اس کا مُنہ قبلہ کی جانب سے پھیر دو۔ چنانچہ سعید کا مُنہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا گیا۔ اس پر سعید نے فرمایا وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط حجاج نے حکم دیا اس کا مُنہ اوندھا کر دو اور اوندھا کر کے زمین پر لٹا دو۔ اس پر سعید نے کہا مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی ط چنانچہ حجاج لاچار ہو گیا اور اس نے قتل کا حکم دے دیا۔ سعید بن جبیر نے کلمہ شہادت پڑھا اور شہید ہو گئے حضرت حسن بصری کو جب سعید بن جبیر کی شہادت کا علم ہوا تو بہت روئے اور فرمایا اللّٰھم انت علی فاسق ثقیف واقیب و اللہ لو ان اھل المشرق والمغرب اشترکوا فی قتلہ لاکبھم اللہ فی النار۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سعید بن جبیر اس مرتبہ کے آدمی تھے کہ اگر ان کو اہل مشرق و مغرب مل کر بھی قتل کرتے تو اللہ تعالےٰ ان سب کو مُنہ کے بل دوزخ میں ڈال دیتا۔ اس واقعۂ دلخراش کے بعد حجاج زیادہ نہ جی سکا اور مر گیا

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز نے اس کو خواب میں دیکھ کر حالت دریافت کی تو حجاج نے کہا ہر مقتول کے بدلہ میں ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا لیکن سعید بن جبیر کے قتل کی پاداش میں ستر مرتبہ قتل کیا جاتا ہوں۔ علامہ دمیری

نے اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد شبہ کیا کہ سعید بن جبیر تابعی تھے۔ ایک تابعی کے قتل کی پاداش میں ستر مرتبہ قتل کیوں کیا گیا حالانکہ یہ صحابہ کو بھی قتل کر چکا تھا جیسا کہ عبداللہ بن زبیر کو صراحۃً اور عبداللہ بن عمر کو کنایۃً و اشارۃً۔ شبہ کی تقریر یوں سمجھئے کہ صحابہ کے قتل کے بدلہ میں تو صرف ایک مرتبہ قتل ہو، حالانکہ صحابی کا مرتبہ تابعی سے افضل ہے۔ اور اس شبہ کا جواب دمیری نے یہ دیا کہ سعید بن جبیر کو جس وقت قتل کیا اس وقت سعید کی مثل مسلمانوں میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور دوسرے حضرات کے قتل کے وقت اور حضرات موجود تھے جو کم وبیش مرنے والوں کی جگہ پُر کر سکتے تھے۔

حاصل کلام آپ حضرات معاف کیجئے۔ میری تقریر طویل ہو گئی۔ یہ قصہ تو ضمنی طور پر آ گیا اور یہ آیا بھی کیوں صرف اسلئے کہ قحط الرجال اور فقدان باکمال کے عہد میں شخص واحد کی موت ہزاروں اور لاکھوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی موت ایسے دور کا موت ہے جب اُن کے بعد اُن کا مثل اور جانشین کوئی نہیں ہے۔ سب سے بڑی وجہ رنج والم کی یہ نہیں کہ شاہ صاحب کی وفات کیوں ہو گئی۔ شاہ صاحب تو بہرحال یہاں سے زیادہ آرام و آسائش میں تشریف لے گئے۔ وہ اب ایک بہترین زندگی میں ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً سوال شاہ صاحب کا نہیں ہے۔ سوال تو اپنی حرمان نصیبی کا ہے۔ جو چیز کہیں نہیں ملتی تھی۔ جو مسئلہ تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ جو واقعہ کتب کی ورق گردانی سے میسّر نہ ہوتا تھا وہ شاہ صاحب کے کتب خانہ میں ملجاتا تھا۔

شاہ صاحب کا سیاسی عقیدہ! دورِ حاضرہ کی سیاست کا

جہاں تک تعلق ہے اور عہدِ حاضر میں آزادیٔ وطن اور آزادی ہندوستان کا جہاں تک سوال ہے کون نہیں جانتا کہ اس میں شاہ صاحب کا وہی مسلک تھا جو عام طور پر اپنے اکابر کا مسلک رہا ہے۔ وہ باوجود اس ضعف و ناتوانی کے بھی جیل جانے کے لئے آمادہ تھے۔ اُنہوں نے لاہور میں ایک دفعہ لائن والی مسجد میں علماء کو خطاب کرکے فرمایا تھا کچھ کرلو یہ وقت بار بار نہیں آتا۔ میں علماء سے کہہ رہا ہوں تم کو تو روٹی بھی دین کے نام پر ملتی ہے۔ دین کے لئے تم بھی کچھ کرو میں اسقدر ضعیف ہوگیا ہوں کہ اب ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی مجھ کو مشکل ہوگیا ہے۔ لیکن اس ضعف و ناتوانی کے باوجود بھی میں جیل جانے کے لئے حاضر ہوں۔ الفاظ سے شاہ صاحب کی جرأت و ہمت اور آزادی وطن کے جذبہ کا بہ آسانی حال معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو جو خط شاہ صاحب نے جیل میں لکھا ہے جب آپ اُس کو سُنیں گے تو اس امر کا خود اندازہ لگالیں گے کہ حضرت شاہ صاحب کانگریس کے کس قدر حامی تھے۔ اور ملک کی موجودہ تحریکات سے مرحوم کو کس قدر دلچسپی تھی۔ اس سنگلاخ اور پتھریلی راہ میں اُن کا وہی نظریہ تھا جو اُن کے اکابر کا تھا اور بالخصوص جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

نمک کی تحریک آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ جب گاندھی نے نمک کے قانون کی سول نافرمانی شروع کی تھی تو لوگوں نے مذاق شروع کر دیا تھا بالخصوص مسلمان تو اس تحریک کا بہت ہی مذاق اڑاتے تھے اور بعض نے تو اس تحریک کا نام نمکین سول نافرمانی رکھ دیا تھا۔ مسلم اخبارات جو ملکی تحریکات سے علیحدہ تھے اُنہوں نے اس تحریک پر سوقیانہ پھبتیاں بھی اُڑائی تھیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں یہ اعلا

کیا تھا کہ مذہب اسلام میں نمک مباح الاصل ہے جیسا کہ آگ پانی اور خود رَو گھاس۔ شاہ صاحب کے اس اظہار خیال پر اکثر حضرات بہت کچھ چراغ پا ہوئے تھے۔ اور بعض اصحاب نے تو۔۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آج جب کہ گاندھی جی نے نمک کی سول نافرمانی شروع کی ہے تو شاہ صاحب کو بھی نمک کی روایت مل گئی۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات نہایت لغو اور مہمل تھے۔ اور یہ اعتراضات وہی لوگ کرتے تھے جو نہ مذہب سے واقفیت رکھتے تھے اور نہ جن کو تہذیب و دیانت سے کوئی حصہ ملا ہے۔ شاہ صاحب کا کسی مسئلہ کو ضرورت کے موقع پر بیان فرمانا یا اس کو ظاہر کر دینا یہ قابل تحسین و لائق تشکر و امتنان تھا۔ مسلمانوں کو اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ آج دنیا کے عقلاء جس چیز کی خوبی کو سمجھتے ہیں الحمد للہ مقدس مذہب اسلام میں وہ چیز چودہ سو برس پہلے موجود تھی۔ نمک کے ٹیکس کی خرابی اور نمک کے ٹیکس کو ظلم بتانے والے اور اس کے خلاف جد وجہد کرنے والے آج پیدا ہوئے لیکن مذہب اسلام کی حق پسندی اور انصاف کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ چودہ سو برس پہلے اس چیز کو ناجائز کر چکا ہے۔ یہ موقع فخر و مباہات اور حقانیت اسلام کے اظہار کا تھا یا شاہ صاحب مرحوم پر اعتراض کا۔ لیکن ان لوگوں کا کیا علاج ہو سکتا ہے جن کی بصیرت اللہ تعالیٰ نے سلب کر لی ہو اور جنہوں نے آنکھیں بند کر کے استعمار و استبداد کی حمایت کو اپنا شعار بنا لیا ہو۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا۔

بہر حال شاہ صاحب کے اس اعلانِ حق کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے عام طبقہ کو نمک کی تحریک سے ہمدردی ہو گئی۔

برادرانِ ملت! شاہ رحمۃ اللہ علیہ خدا کے فضل و کرم سے اتنی خوبیوں کے مالک تھے کہ انکے اوصاف و کمالات کا احصا و استقصا مجھ جیسے جاہل کیلئے

ناممکن ہے۔ شاہ صاحب نے جو کچھ کا بڑا حصہ کا بیہ شاہ ولی اللہ صاحب اور میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا اس کے بیان کو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اگر مزید تفصیل معلوم کرنی ہے تو جناب صدر کی تقریر کا انتظار کیجئے میں اپنی تقریر کو اپنے عجز و قصور کے اعلان کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

اللھم انس وحشتہ و امن روعتہ ولقن حجتہ و بیض غرتہ وارحم غربتہ وتقبل حسناتہ وکفر سیاٰتہ انک علی کل شیئ قدیر وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یاارحم الراحمین ط

نوٹ:۔ یہ تقریر آپنے حضرت مفتی صاحب قبلہ کی صدارت میں جامع مسجد دہلی میں بعد نماز جمعہ فرمائی ‎۔

پاکستان

کیسا ہوگا؟

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

امابعد۔ صدر محترم اور معزز حاضرین! غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ میں
ایک مدت سے علیل ہوں۔ نہ کوئی تقریر کرتا ہوں اور نہ کوئی سفر کرتا ہوں۔ یہاں
بھی علاج کی غرض سے آیا ہوں۔ میرے معالج آپ کے شہر سہارنپور کے مشہور
طبیب حکیم سید محمد یامین ہیں۔ ہرچند کہ میں علاج کی غرض سے آیا تھا لیکن یہاں
کی جمعیت کے بعض ارکان نے تقریر پر اصرار کیا لیکن جس قدر میں عذر کرتا رہا۔۔۔۔
اسی قدر یہ لوگ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ میں مجبور ہو گیا اور میں نے کارکنان
جمعیت سے وعدہ کر لیا۔ پھر اس پر گفتگو شروع ہوئی کہ تقریر رات کو ہو یا دن کو ہو۔
میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں تقریریں کی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تقریر
کے لئے دن سے رات زیادہ موزوں ہے۔ رات کو ایک قدرتی سکون
ہوتا ہے۔ عام شور و غل سے شب کی تاریکی کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

یعنی رات کو ہم نے پردہ پوش بنایا ہے اور دن کو ہم نے ضروریات
زندگی کے حصول کا ذریعہ تجویز کیا ہے لیکن تقریر کا یہ سکون و اطمینان اس

شخص کے لئے امید افزا ہو سکتا ہے جس کی طبیعت صحت سے ہمکنار ہو اور وہ کوئی طویل تقریر کرنا چاہتا ہو۔ چنانچہ ان حضرات کی خواہش تو یہ تھی کہ میں آج رات کو جوبلی پارک میں خطاب کروں لیکن میرا قصد آج قیام کا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس امر پر ان لوگوں سے سمجھوتہ کر لیا کہ یہ آج کے قیام پر اصرار نہ کریں اور میں جمعہ کے بعد تقریر کر دوں جوبلی باغ میں۔ پھر انشاء اللہ آئندہ کسی موقعہ پر تقریر ہو جائے گی۔ بشرطیکہ میری زندگی اور میری صحت نے مساعدت کی۔ میرے معزز دوستو! اس وقت جو نظم منشی ظہور احمد صاحب نے پڑھی ہے اور جس کا تعلق حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے ہے، اس نظم نے میرے قلب پر خاص اثر کیا ہے۔ حقیقتاً حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ جو سلوک اس پاکستانی علاقہ میں کی گئی ہے اس سے اُن عزائم کا پتہ چلتا ہے جن کے لئے یہ مطالبہ اختراع کیا گیا ہے۔ غالباً پاکستان ایسا ہی ہو گا جہاں مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ اسی قسم کا وحشیانہ سلوک کیا جائے گا اُس پاکستان میں علمائے حق کو رائے کی آزادی میسر نہ ہو گی اور مسٹر جناح کے پاکستان میں اس سے زیادہ اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے۔ جس پاکستان کی تعمیر مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کے ہاتھوں ہو گی۔ اُس پاکستان میں کیا آپ نماز روزے اور شعائر اسلامی کی چہل پہل دیکھ سکیں گے بلکہ وہ پاکستانی علاقے تو فسق و فجور کی منڈیاں ہوں گی جہاں سب کچھ ہو گا اور نہیں ہو گا تو دین الٰہی کا تذکرہ کہیں نہیں ہو گا۔

مولانا حسین احمد کی ذات اقدس کا جس خاندان سے تعلق ہے اُس کے لئے یہ کوئی

نئی بات نہیں ہے۔ سادات کا خاندان ہمیشہ ظلم و ستم کا نشانہ رہا ہے۔ شاید

ہی اس اُمت پر کوئی ایسا دور گزرا ہو گا جس میں سادات کی توہین و تذلیل نہ کی گئی ہو۔ یزید کے زمانہ سے لے کر آج تک ہمیشہ سادات کو اسی قسم کی تکالیف و مصائب سے دوچار ہونے کا موقعہ نصیب ہوا ہے اور ہندوستان میں تو حکومت برطانیہ کا اقتدار ہی اہل حق کی عزت اور اُن کے خون پر رکھا گیا ہے۔

تبر بر معصوم مے بارد خبیث بد گہر
آسماں را سے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

صاحبو! یہ مولوی حسین احمد صاحب کی عزت و آبرو کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ مسلم لیگ کی موت کا پیغام ہے۔

جس طرح حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا واقعہ مروانی حکومت کی موت کا پیغام تھا اسی طرح سید حسین احمد کا واقعہ لیگ کی موت کا پیغام سمجھئے۔ انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ لیگ کی لاش بھی حکومت متسلط کے اقتدار کے ساتھ ہی دفن ہوگی اور کچھ تعجب نہیں کہ یہ دونوں مُردے ایک ہی قبر میں رکھے جائیں یا ایک ہی سمندر میں غرق ہوں۔

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

حکومت متسلط کا اقتدار

میرے دوستو! میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر یہ مسلم لیگی مولانا حسین احمد صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ مولانا کی مسلم لیگ سے تو کوئی لڑائی نہیں ہے۔ مولانا کی جنگ تو حکومت متسلط کے اقتدار سے ہے۔ مولانا بار بار فرما چکے ہیں کہ میری لڑائی حکومت کے اقتدار

سے ہے۔ اس جنگ میں مجھے کسی سے بھی اشتراک عمل کرنا پڑے ہیں کروں گا
حضرت مولانا اپنا کام کر رہے ہیں اور اپنے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ یہ لیگی
حضرات اُن کی ایذا رسانی کے درپے کیوں ہیں۔ ان کی انگریزوں سے کوئی
رشتہ داری ہے یا یہ انگریزوں کے کوئی قرابت دار ہیں یا ان کی ددھیال
یا ننھیال کا انگریزوں سے کوئی تعلق ہے۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ یہ تو ایسے بپھرے
بپھرے پھر رہے ہیں جیسے ان ہی کی حکومت چھن رہی ہے۔ انگریزی حکومت جوں
جوں اُس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے ووں ووں ان کی روح نکلتی ہے۔ خدا جانے
وہ کیا بات ہے جو یہ صاف نہیں بتاتے۔ ارے بابا! ہماری تم سے کوئی لڑائی
نہیں۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہماری تم سے کوئی جنگ نہیں۔ ہم تو اس حکومت
کے اقتدار کو زائل کرنے کے درپے ہیں جس نے ہمارے اقتدار کو دنیا
کے ہر گوشے سے زائل کیا ہے۔ اگر تم ہماری مدد نہیں کر سکتے تو خدا کے لئے
ہمارا راستہ تو روک کر نہ کھڑے ہو۔ اگر ملک آزاد ہو گیا تو تمہاری اولاد بھی
تو فائدہ اٹھائے گی۔ ہم تو اس ملک کو چھاتی پر رکھ کر نہیں لے جائیں گے
ہماری تو قربانیاں صرف تاریخ میں رہ جائیں گی۔ باقی یہ زمین تو یہیں رہ
جائے گی جس کو تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد برتے گی۔ تم تو انگریز کی
محبت میں ایسے اندھے ہوئے ہو کہ تم کو نہ مذہب کا پاس ہے نہ اہل مذہب کا
خیال ہے۔ نہ کسی عالم کے ادب و احترام کا پاس ہے، نہ سیدوں کی آبرو کے
تحفظ کا خیال ہے۔ آخر کچھ تو سوچو کہ کیا کر رہے ہو۔ انگریز تو یہاں ہمیشہ نہیں
رہے گا لیکن ہم کو تم کو تو اسی ملک میں ہمیشہ رہنا ہے۔ تم نے تو صید پور میں
ایسی ناشائستہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے کہ یزید کی روح بھی تھرا گئی ہو گی
این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

شاید تم کو معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا گیا اور مظلوم نے ظالم کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی عزت اور بلند کر دیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح منقول ہے کہ حضرت حق مظلوم سے فرماتے ہیں لانصرنک ولو بعد حین کہ تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ کچھ وقفہ سے ہو۔ اب تم خدا کے انتقام کا انتظار کرو جو ضرور لیا جائے گا۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد لیا جائے۔ ایک طرف ہمارے لیگی دوست منتقم حقیقی کے انتقام کا انتظار کریں اور دوسری طرف دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کس طرح مظلوم کی عزت کو بلند کرتا ہے۔

سرسید کی تخم پاشی

میرے عزیزو! خدا جانے تم میری رائے سے اتفاق کرو گے یا نہیں میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ سرسید نے فاتح اور مفتوح میں محبت پیدا کرنے کی غرض سے جو تخم پاشی کی تھی آج مسٹر جناح اسی پیداوار کو کاٹ رہے ہیں، یہ علماء کی توہین اور تذلیل سرسید کے دور میں شروع کی گئی تھی اور اسکی غرض یہ تھی کہ علماء کے اقتدار کو اس ملک سے فنا کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو کوئی مذہب کے نام پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والا نہ رہے اور ہم جس طرح چاہیں قرآن میں تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر سکیں۔ آج ہی ہمارے یہ پاکستانی دوست گزشتہ تاریخ کو دہرا رہے ہیں تاکہ انکو اپنی من مانی کارروائی کا موقعہ میسر آجائے۔

دیوبند کے ایک بزرگ کا خط

مجھے یہ دیکھ کر حیرت

ہوئی کہ ہمارے ایک بزرگ نے اپنے کسی عزیز کو خط لکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھے کہ مسلم لیگ کا یہ فائدہ کیا کم ہے کہ مسلمان بھی انگریزوں کی ہر مجلس میں پوچھے جانے لگے۔

سبحان اللہ! مسلم لیگ کی کیا بہترین خدمت ہے۔ اللہ اللہ! فاتح اور مفتوح کے درمیان ان احسانات کا تذکرہ ہی تو مفتوح کی موت ہے۔ کیا مسلمانوں کا یہی مقصد زندگی تھا جس کو لیگ نے پورا کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہی تو لیگ کا سب سے بڑا نقصان ہے کہ جو مسلمان حکومت متسلطہ کی صورت دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ وہ حکومت کے وجود کو اپنی زندگی اور اپنی بقا کا سہارا سمجھنے لگا۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی کوئی اور سیاسی موت ہو سکتی ہے۔ کیا مسلمانوں کی اس سیاسی موت کی ذمہ داری مسلم لیگ پر نہیں ہے

سہارنپور کے مسلمانو! میں اب تم سے کیا کہوں میں نے اُن بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں جن کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے صوبہ کا لفٹنٹ گورنر جس کا نام غالباً میسٹن تھا دارالعلوم کو دیکھنے آیا تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ دیوبند چھوڑ کر مظفر نگر چلے گئے اور باوجود مولوی حبیب الرحمٰن مرحوم کے اصرار اور درخواست کے انہوں نے دیوبند چھوڑ دیا۔ اور یہ سفر حضرت نے صرف اس لئے اختیار کیا کہ کہیں میسٹن سے اُنکو ملاقات کرنی اور اس کی صورت دیکھنی نہ پڑے۔

آج اُنہی کے شاگرد رشید اس امر پر فخر کناں ہیں کہ انگریز ہر معاملہ میں مسلمانوں کو پوچھنے اور منہ لگانے لگا مسلم لیگ کی کیسی شاندار خدمت کا اعتراف کیا ہے۔ جب مسلمان کے ذہن کو اس طرح غلامی کی جانب تبدیل کیا جائے گا اور گورنمنٹ کے ان احسانات کا تذکرہ کر کے اس کو انگریزی حکومت کا شکر گزار بنایا جائے گا تو وہ انگریزی حکومت کے اقتدار کو زائل کر دینے والی جماعتوں

میں آئے گا یا انگریزی حکومت کی خیر منائے گا۔ ان ہندوؤں کے کلمات بیہات کی روشنی مسلمانوں کو ہر اس تحریک سے دور لے جائے گی جو حکومت تسلط کے خلاف ہو یا اسکو حکومت کی مخالفت پر آمادہ کرے گی اگر اس ملک میں چند اور اسی شان کے بزرگ مسلم لیگ کے قصیدہ خواں پیدا ہو گئے تو وہ دن دور نہیں جبکہ مسلمان بخاری شریف کا ختم پڑھ کر انگریزی حکومت کی بقا اور استحکام کے لئے دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مصالحت کی کوشش

اس سوقیانہ روش کی موجودگی میں چاہتے ہو کہ لیگ اور جمعیۃ میں مصالحت ہو جائے۔ کیا مجھ سے بھی زیادہ کوئی اس امر کا خواہشمند ہو سکتا ہے۔ کیا میں نے بارہا کوشش نہیں کی اور مسٹر جناح کی کوٹھی تک جمعیۃ کے لیڈروں کو نہیں پہنچایا۔ کیا میں نے صوبہ کی جمعیۃ علماء کی طرف سے ان کی خدمت میں دعوت نامہ نہیں بھیجا۔ میری خط و کتابت تو اب شائع بھی ہو چکی ہے۔ وہ کونسا دن تھا جس دن میں نے اس کی کوشش نہیں کی۔ لیکن مسٹر جناح میں یہ صلاحیت کہاں؟ وہ تو ہر جماعت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صلح صفائی کے آدمی ہی نہیں۔ انکو تو واحد نمائندگی کے زعم باطل نے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ بین الاقوامی معاملات کیا اس طرح چلا کرتے ہیں۔ انگریز سے لڑنے کی تو خدا نے انہیں توفیق ہی نہیں دی۔ ہندو سے لڑنے چلے ہیں اور اپنے گھر میں اتفاق نہیں۔ تم کو اپنوں سے لڑنے کی فرصت نہیں، تم غیروں سے کیا خاک لڑو گے ؎

ترا کے میسّر شود ایں مقام ؎ یا دوستانت خلاف است جنگ

اور اب تو تمہیں مصالحت کی ضرورت ہی نہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کا قیام

تم نے جمعیۃ علماء ہند سے

مقابلہ میں ایک اور جمعیۃ علماء کی بنیاد رکھ دی ہے جس جمعیۃ علماء کی بنیاد ہندوستان کے مجاہدِ اعظم حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی تم اُس کے مقابلہ میں ایسے علماء کی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے ہو جنہوں نے ہمیشہ علماءِ حق کو کافر اور مُرتد کہا ہے۔ وہ تو پیشہ ور کفر ساز ہیں۔ اب تمہارے پلیٹ فارم سے بھی وہ اپنا قدیم شغل پورا کرلیں گے۔

جمعیۃ علماء یا مسجد ضرار

تم یقین مانو کہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء اسلام کا قیام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی کے مقابلے میں مسجد ضرار کا قیام!

بھلا جس جمعیۃ کی بنیاد حکومت متسلّط کی مخالفت اور اعلاء کلمۃ الحق کی حمایت کی غرض سے رکھی گئی تھی تم اس کا مقابلہ اُس جماعت سے کرنا چاہتے ہو جو کاسہ لیسان ازلی کے کندھوں پر قائم کی جارہی ہے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ کہاں حضرت شیخ الہند، کہاں مسٹر جناح، نواب زادے۔ رضا علی، سر فیروز خاں نون، اور سر شفاعت۔ اگر مسلم لیگ واقعی ہندوستان کی آزادی کی خواہشمند ہے تو اس میں یہ دُنیا بھر کی مُردہ اور مفلوج لاشیں کیوں جمع کی جارہی ہیں۔ تمام دُنیا کے پیرزادے اور خانزادے مسلم لیگ کے جنازے پر کیوں اُمنڈ اُمنڈ کر آرہے ہیں۔ ایک طرف مسٹر جناح علماء کے اقتدار کو ختم کرنے کے آرزومند ہیں اور دوسری طرف اپنے ڈھب کے علماء کو منظم کرتے پھرتے ہیں۔ سُبحان اللہ کیا طریقۂ کار ہے۔ جن علماء کی تم جماعت بنارہے ہو وہ جب اپنی برادری کے نہ ہوئے تو وہ تمہارے کیا خاک ہوں گے مولانا آزاد سبحانی اسکیمیں تو بہت اچھی بنا سکتے ہیں لیکن کیا آج تک کوئی جماعت

بھی اُن کے ہاتھوں پروان چڑھی ہے جن سے حلقۂ ربانی اور گاڑھا کانفرنس سرسبز نہ ہو سکے جو شخص حلقۂ ربانی کو کامیاب نہ کر سکا وُہ حلقۂ شیطانی کی کیا رہنمائی کریگا۔ بہرحال مسلم لیگ یہ حسرت بھی پوری کر لے اور لیگ کے جھنڈے تلے اس قسم کے مشہور بزرگوں کو جمع کر کے دیکھ لے۔ اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ۔

مسلم پارلیمنٹری بورڈ

میرے معزز دوستو! مجھے تو زیادہ باتیں کرنی نہیں آتیں اور نہ مجھے کوئی لمبی تقریر کرنی ہے۔ میں تو تم سے صرف ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ الیکشن کے لئے ایک بورڈ مسلم لیگ نے قائم کیا ہے۔ اس لیگ میں سرفیروز خاں نون بھی ہیں۔ سر رضا علی بھی ہیں۔ سر ضیاء الدین بھی ہیں۔ راجہ محمود آباد بھی ہیں نواب زادے لیاقت علی بھی ہیں۔ پیر جماعت علی شاہ اور پیر گولڑہ بھی ہیں۔ غرض دُنیا بھر کے سر اور سرکار پرست پیر اور سجادے اور نواب زادے اور خانوادے اور مست قلندر اور راجہ اور مہاراجہ جمع ہیں اور ایک طرف جمعیۃ علماء ہند کے علماء نے ایک الیکشن بورڈ بنایا ہے۔ اس بورڈ میں ہمارے انصاری بھائی ہیں، کرشک پرجا پارٹی ہے اور دوسرے ہندوستان کے آزاد خیال مسلمان ہیں۔ جمعیۃ علماء کی خواہش یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کے بورڈ کی طرف سے ایسے مسلمان منتخب کئے جائیں جو حکومت کے اقتدار سے جنگ کرنے والے ہوں۔ مذہب کا تحفظ چاہتے ہوں۔ جو قانون بنائیں وہ مذہب کی روشنی میں جمعیۃ علماء کے مشورے سے بنائیں۔ اب مجھے بتاؤ اگر مسلم لیگ اور اُسکے سرکاری حامی اور سرکاری ٹولی کامیاب ہوئی تو حکومت کو خوشی ہوگی یا رنج ہوگا؟ (آوازیں آئیں حکومت کو خوشی ہوگی) اور اگر جمعیۃ علماء اور آزاد

خیال مسلمانوں کا بورڈ کامیاب ہوا تو حکومت کو مسرت ہوگی یا افسوس ہوگا؟ (آوازیں آئیں افسوس ہوگا) تو بس اب معاملہ صاف ہے۔ جو حکومت متسلطہ کو خوش کرنا چاہتا ہے اور جو حکومت کا طرف دار ہے وہ مسلم لیگ کی طرف چلا جائے اور جو حکومت کی خوشی سے بے نیاز ہے اور ملک کو آزاد کرانا چاہتا ہے اور علماء اسلام کا ساتھ دینا چاہتا ہے اور مذہب کی بقا کا حامی ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ آجائے۔

حُسنِ اتّفاق دیکھئے کہ آج قاری صاحب نے قرآن کی آیت بھی وُہی تلاوت کی ہے جو ہمارے مقصد کو بالکل واضح کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان والو! تم خدا سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ" اب تم ہی غور کرو کہ سچّا کون ہے۔ کیا وہ اہل علم حق و صداقت کے پیکر ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں یا وہ حضرات صداقت کے مجسّمے ہیں جن کا نہ اعتقاد صحیح ہے اور نہ جن کی صورتیں اسلامی تہذیب کے موافق ہیں۔ جو حضرات یورپین تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ جن کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، وضع قطع سب یورپین طرز کی ہے وہ قرآن کے نزدیک قابلِ اتباع ہیں یا وہ لوگ جن کی عمریں اسلام اور قرآن کی خدمت میں گزری ہیں، وہ سچّے اور قابلِ اتّباع ہیں؟۔ جنہوں نے ہمیشہ انگریزی قانون کی حمایت کی وہ خدا کے نزدیک قائد اور متبوع ہو سکتے ہیں یا وہ لوگ قائد ہونے کے اہل ہیں جن کی صورت اُس تہذیب کے موافق ہے جو منزّل من اللہ ہے۔ اِسی رکوع میں آگے چل کر فرماتے ہیں وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ۔ تم کوئی قدم بھی ایسا اُٹھاؤ گے جو تمہارے دشمنوں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرنے والا ہو تو اُس قدم پر بھی تمہارے لئے نیک

عمل لکھا جائے گا۔ تم نے ابھی اقرار کیا ہے کہ جمعیۃ علماء اور آزاد خیال لوگوں کی کامیابی حکومت متسلطہ کے لئے موجب پریشانی ہوگی اور اس قسم کی پریشان کُن کارروائی پر قرآن وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے عملِ صالح لکھا جائے گا۔ پھر اس سے زیادہ اور بشارت کیا چاہتے ہو؟

پاکستان یا اسٹر

میں اپنے لیگی دوستوں سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ بتاؤ، تم پاکستان چاہتے ہو یا ہندوستان میں اسٹر کی بُنیاد رکھنا چاہتے ہو۔ میرے عزیزو! اس پاکستان میں کیسی حکومت ہوگی؟ کیا ایسی حکومت ہوگی جیسی خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔ اچھا خلفائے راشدین کو جانے دیجئے۔ مسٹر جناح اور راجہ محمود آباد کی موجودگی میں تو خلفائے راشدین کا تصوّر اور اُن کا نام لینا بھی گناہ ہے۔ بتاؤ کیا پاکستان میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز جیسی حکومت ہوگی۔ عمر بن عبد العزیز کو بھی جانے دو۔ کیا ایسی حکومت ہوگی... جیسی ہارون الرشید کی تھی۔ ہارون رشید کو بھی چھوڑ دیجئے۔ پاکستان میں ایسی حکومت ہوگی جیسی شاہجہاں اور اورنگ زیب حکومت کیا کرتے تھے۔ اگر شاہجہاں اور عالمگیر کی سی حکومت ہوگی اور تم اس کا ذمہ دارانہ اعلان کر دو تب بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ہمدردی آپ کے ساتھ ہوگی اور میں تمہارے ساتھ مل کر ایسی حکومت قائم کرنے کی سعی کروں گا۔ لیکن اگر وہ پاکستانی حکومت اُسی انگریزی جمہوریت کی حکومت ہو اور وہ پاکستان گورنمنٹ برطانیہ یا امریکہ کی زیر سرپرستی قائم ہو اور اس میں پینتالیس ۴۵ یا چالیس ۴۰ ہندو اور سکھ شامل ہوں اور سر چھوٹو رام، اور سر ٹیکا رام، اور جھنجو رام کے ساتھ مل کر حکومت چلانی پڑے تو وہ پاکستان نہیں وہ تو اسٹر ہوگا۔ ایسے گندے

پاکستان کے لئے مسلمانوں کو کیوں تباہ کر رہے ہو اور تم کیوں مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہو اور تم نے کیوں نوجوانوں کو مغالطہ میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس الیکشن کے لئے کیوں علماء حق کی عزت و آبرو کے درپے ہوتے ہو۔ ایک مؤثر اقلیت کو لے کر اپنی حکومت کے دامنوں میں پرورش کرنا اور مسلمانوں کی تین کروڑ غیر مؤثر اقلیت کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا کیا تمہارے نزدیک مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس مسلم کش پالیسی کو جس میں تین کروڑ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے، تم زبردستی تسلیم کرانا چاہتے ہو؟

جبر و اکراہ کی پالیسی

میرے عزیزو! تم نے یہ جبر و اکراہ کی پالیسی اختیار کی ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جبر و اکراہ سے کوئی بات منوائی جا سکتی ہے۔

ارے بھلے آدمیو! جبر و اکراہ سے حق تو منوایا ہی نہیں جا سکتا، بھلا باطل کیوں کر قبول کیا جا سکتا ہے۔ کہیں زبردستی گالیاں دے کر اور چاقو اور چھریاں دکھا کر باطل کو تسلیم کرایا جا سکتا ہے، نعوذ باللہ من ذالک اور کیا تم مسٹر جناح کے پاکستان کو کوئی وحی الٰہی یا قرآن کی آیت سمجھتے ہو کہ جو اس کے خلاف ہو وہ قابلِ گردن زدنی ہے۔ تم بھی ایک فارمولا پیش کر رہے ہو اور جمعیۃ علماء بھی ایک فارمولا پیش کرتی ہے۔ ہم تم دونوں یہ چاہتے ہیں کہ آزاد ہندوستان میں مسلمان نقصان سے محفوظ رہیں اور ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر نہ کریں۔

اسی مقصد کے پیش نظر آپ کی وہ تجویز ہے جو آپ نے لاہور میں پاس کی ہے جس کا نام اب پاکستان تجویز ہو گیا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر

جمعیۃ علماء نے ایک تجویز لاہور میں پاس کی ہے اور پھر اس کی تشریح دہلی میں اُس کی مجلسِ عاملہ نے کی ہے۔ جس کا نام صوبوں میں حق خود اداریت اور مرکزی مساوات ہو گیا ہے۔ یہ دو تجویزیں آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے پیش ہیں۔ ایک مسلم لیگ کی ہے اور ایک جمعیۃ علماء کی ہے۔ ہم کو جو جناب کی تجویز پر اعتراض ہے وہ ہم نے بارہا کہہ دیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ جس میں تین کروڑ مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنایا جائے اور ان کو غیر موثر اقلیت بنا کر ہندوؤں کی بھاری اکثریت کے سپرد کر دیا جائے اور مسلمانوں کو سب طرف سے سمیٹ کر برِاعظم کے ایک گوشہ میں ڈال دیا جائے اور اس حیثیت سے ڈال دیا جائے کہ وہ ایک موثر اقلیت کے ساتھ جس کی تعداد چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش ہو مل کر حکومت کریں۔ میرے عزیزو! اگر تم اس قسم کا پاکستان مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے ہو تو سمجھو کیوں نہیں سمجھاتے آخر؟۔

کیا یہ کوئی تمہارا گھریلو معاملہ ہے؟

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا پاکستان کا معاملہ تمہارا کوئی گھریلو معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ آخر آٹھ یا نو کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے انگریز کو اس ملک سے نکال کر مسلمانوں کی آزاد زندگی بسر کرنے کا معاملہ ہے۔ اس طریقہ کا پاکستان جس طریقہ کا تم بنانا چاہتے ہو ہم تو وہی مطلب سمجھتے ہیں۔ یا تو تم کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور یا تم ملک سے انگریزوں کو نکالنا نہیں چاہتے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جمعیۃ اور مسلم لیگ کی تجویزوں کو قرآن کی آیتیں نہ سمجھو بلکہ آپس میں مل کر اور سب سر جوڑ کر غور

کرو کہ کونسی راہ مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ صرف مولوی ہی پاکستان
کے مخالف نہیں ہیں بلکہ بیشمار آزاد خیال اور تعلیم یافتہ مسلمان جمیعۃ علماء کی
تجویز کے حامی اور پاکستان کے مخالف ہیں۔ آخر پاکستان میں کوئی تو ایسی
خرابی ہے جس سے مسلمانوں کا مذہبی اور روشن خیال طبقہ مطمئن نہیں ہوتا
اگر غور سے دیکھو تو تمہارے ساتھ یا تو سرکار پرست اور کاسہ لیسانِ ازلی
کی کثرت ہے اور یا پھر کمیونسٹوں اور لامذہبوں کی چہل پہل ہے۔ ان کے
علاوہ اور جناب کے پاکستان کو کون سپورٹ کر رہا ہے۔ سرکار پرستوں کی خواہش
صرف یہ ہے کہ گورنمنٹ کے ہاتھ سے ملک نہ نکلنے پائے اور کمیونسٹوں کی تمنا
یہ ہے کہ کسی طرح ملک میں روسی نظام جاری ہو جائے اور مسلم لیگ پر قبضہ کرکے
اسلام کے نام پر کمیونزم کو ترقی دی جائے۔ یہی وہ جذبات ہیں جو آپ کی
مسلم لیگ میں نمایاں اور اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اگر یہ باتیں نہیں ہیں جو میں نے عرض کیں تو پھر آخر یہ شور و ہنگامہ کیا
ہے اور علماءِ ملت کی یہ توہین و تذلیل کیوں ہے؟ علماءِ اُمت سے اس قدر
نفرت کیوں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کیا ہم اسلام
کے بدخواہ ہیں جس اسلام کے نام پر ہم کو روٹی ملتی ہے۔ کیا ہم اسکو ہندوستان
سے مٹانا چاہتے ہیں۔ کیا معاذ اللہ ہم ملتِ ابراہیمی کو کفر کے ہاتھ فروخت
کر رہے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر خاکم بدہن، اس ملک سے علماء اور
علماء کے وقار کو ختم کر دیا گیا تو اس ملک میں مذہب کا کیا حال ہو گا۔ جس
ملک کے مسلمانوں کی مذہبی حالت تمام دنیا کے مسلمانوں سے بہتر ہے۔
تم انہی مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہارا یہ مقصد نہیں ہے اور تم اسلام
کے دشمن نہیں ہو تو تم مذہب کے نام لیواؤں کے ساتھ یہ کافرانہ سلوک

کیوں کر رہے ہو۔ جلسوں میں شور کرنا، علماء پر قاتلانہ حملے کرنا، غل مچا کر اور لاٹھیاں چلا کر جلسوں کو درہم برہم کرنا، کیا یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے یا کافروں کا۔ یہ طریقہ تو ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کا ہے۔ یہ طریقہ صدیق اکبرؓ اور بلالؓ کا نہیں ہے۔

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم علماء حق کی توہین و تذلیل کر کے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہو۔ کیا ہندوستان کے تمام مسلمان یا ننانوے فیصدی اسی خیال کے ہیں کہ مذہب اور اہل مذہب کی توہین کی جائے اور جلسوں میں اسی طرح غل مچایا جائے جس طرح کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں غل مچایا کرتے تھے یا جس طرح حضرت علی رضی کی تقریر میں خارجی شور مچایا کرتے تھے۔

کیونکہ آپ کی جماعت تو نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ ہے یا کم از کم ننانوے فی صدی کی نمائندہ ہے۔ تو گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمام مسلمان ہی مذہب اور اہل مذہب کے دشمن ہو گئے۔ آپ کی نمائندگی بھی خوب ہے۔ جمعیت علماء آپ کے ساتھ نہیں، احراری آپ کے ساتھ نہیں، خاکساری آپ کے ساتھ نہیں۔ خدائی خدمت گار آپ کے ساتھ نہیں۔ انصاری آپ کے ساتھ نہیں۔ شیعہ من حیث الجماعت آپ کے ساتھ نہیں۔ انڈی پنڈنٹ اور امارت شرعیہ بہار آپ کے ساتھ نہیں۔ کرشک پرجا پارٹی آپ کے ساتھ نہیں۔ آل انڈیا مسلم مجلس آپ کے ساتھ نہیں، مگر آپ تمام ہندوستان کے واحد نمایندے ہیں۔ الیکشن میں ہر ایک سیٹ پر آپکا مقابلہ ہو رہا ہے۔ مگر آپ ہیں تمام مسلمانوں کے واحد نمائندے! سبحان اللہ کیا واحد نمایندگی ہے۔ قربان جائیے اس واحد نمایندگی کے۔

مسلم لیگ سے صلح

میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ مجھ سے بڑھ کر کون صلح کا حامی ہو سکتا ہے۔ اگر مسٹر جناح کی جگہ کوئی اور معاملہ فہم اور حق شناس اور مسلمانوں کا ہمدرد صدر ہوتا تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اب تک کبھی کی صلح ہو چکی ہوتی اور اب بھی اگر تم مسلمانوں کو متفق کرنا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ جس طرح سر آغا خاں نے ایک آل پارٹیز کانفرنس کی تھی اسی طرح مسٹر جناح ایک آل پارٹیز کانفرنس مدعو کریں اور سب جماعتوں کے افراد ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اگر ایسا ہو تو کیا سمجھتے ہو کہ باہم اتحاد نہیں ہو سکتا۔ تم کو جب تک واحد نمائندگی کے خواب پریشاں سے نجات نہیں ملے گی یاد رکھو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ پالیسی کہ سب کو ختم کر دو، بس ہمیں ہم ہیں اور دُنیا میں باقی سب بیوقوف ہیں، یہ پالیسی تمہارے لیڈر کی کوئی کامیاب پالیسی نہیں ہے۔ تمام دُنیا کی سرکاری اور ناپاک رُوحوں کو تم گلے لگا سکتے ہو۔ لیکن تم سے مولانا حسین احمد اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ جیسے مقدس لوگ برداشت نہیں ہو سکتے۔ اگر تمہارے دل میں واقعی مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی تڑپ ہے تو تم ایک آل پارٹیز فوراً مدعو کرو، تمہاری بھی عجیب حالت ہے۔ جب سر آغا خاں آل پارٹیز مدعو کریں تو مسٹر جناح اس کا بائیکاٹ کر دیں اور جب مسٹر جناح سے کہا جائے کہ تم ایک آل پارٹیز بلا کر سب سے گفتگو کرو تو فرمائیں پہلے پاکستان مان کر مسلم لیگ میں آجاؤ۔ اس کے بعد بات کروں گا۔ سبحان اللہ جناب کے لیڈر کی بھی کیا شان ہے۔

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں
کوئی بلائے تو آئیں نہیں اور جب اُن سے بلانے کو کہا جائے تو کہیں

کہیں لیگ کے جھنڈے تلے آجاؤ۔ اور وہ پاکستان جو شرمندۂ معنی نہیں ہوا اور صرف مسٹر جناح کے دماغ کی پیداوار ہے اس کو تسلیم کرلو تب تو تم کو ہم بلائیں گے اور تم سے بات کریں گے۔ اور جب ایک خط کے بعد کوئی دوسرا خط پہنچے تو کہدو کریں جو کچھ پہلے خط میں کہہ چکا ہوں اس سے زائد کہنا نہیں چاہتا۔ تم تو دوسرے دن کو دعوت دیتے پھرتے ہو اور مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار رہے اور تمہارے لیڈر کے دماغی توازن کی یہی کیفیت رہی تو اس الیکشن کے بعد چودھری خلیق الزماں اور نواب اسماعیل خاں اور نوابزادے لیاقت علی خاں بھی اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح حضرت الملۃ والدین مولانا ظفر علی خاں اس سے نکل گئے ہیں، اور اتحاد الملۃ کا نیلا جھنڈا لے کر گشت کرتے پھرتے ہیں یا اگر کوئی شریف آدمی اپنی وضعداری کو رہ بھی گیا تو اس کا حشر وہی ہوگا جو مولانا حسرت موہانی کا ہو رہا ہے۔

ہندوؤں سے ملنے کا طعنہ

عام طور سے یہ کہا جارہا ہے کہ مولوی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ہندوؤں کی جماعت سے مل گئے ہیں، یہ کس قدر غلط تعبیر اور غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ کیا تم ان الفاظ کے ادا کرنے میں صادق القول ہو، کیا تم یہ ایمانداری کے ساتھ کہتے ہو۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ مولوی سرکار پرستوں اور گورنمنٹ کے وفاداروں سے کنارہ کش ہو کر حکومت کا اقتدار مضمحل کرنے کی غرض سے نیشنلسٹ ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مشترکہ جماعت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جس طرح ۱۹۱۴ء میں خلیفۃ المسلمین نے قیصر جرمنی کا ساتھ دیا تھا، اور جس طرح اب بھی

مسلم لیگی وزارتیں ہندوؤں سے مل کر وزارتیں چلا رہی ہیں، اور جس طرح آپ کے صوبہ یو۔ پی میں بہت سی میونسپلٹیوں اور دسٹرکٹ بورڈوں میں ہندو اکثریت کے باوجود مسلمان ہندوؤں سے ملے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ کچھ ہندو مسلمان وہ ہیں جو باہم مل کر حکومت کی مشنری چلا رہے ہیں اور کچھ ہندو مسلمان وہ ہیں جو کانگریس کے پلیٹ فارم پر مل کر حکومت کے اقتدار سے جنگ کر رہے ہیں۔ اگر وہ مسلمان کافر ہیں تو یہ مسلمان بھی کافر ہیں۔ اور اگر ٹیکا رام اور بھنجو رام والے مسلمان مسلمان ہیں تو جواہر لال سے مل کر کام کرنے والے مسلمان بھی مسلمان ہیں۔ غضب خدا کا کونسلوں میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرو تو مسلمان، اسمبلی میں جا کر ہندوؤں سے مل جاؤ تو مسلمان، میونسپلٹیوں میں ہندوؤں کے دوش بدوش بیٹھ کر کام کرو تو مسلمان، ڈسٹرکٹ بورڈ میں ہندو اکثریت کے ساتھ بیٹھ کر کام کرو تو مسلمان، وائسرائے کے ڈنر میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک میز پر کھانا کھا لو تو مسلمان، ہندوؤں اور گورکھوں کے ساتھ مل کر انگریزی اقتدار پر میدان جنگ میں قربان ہو جاؤ تو مسلمان، ہندوؤں سے مل مل کر سپلائی کے ٹھیکے لو تو مسلمان، ہندوؤں سے مل کر چھوٹی چھوٹی یونین بناؤ تو مسلمان، کرانہ یونین، کلاتھ یونین، غلہ یونین، ہوزری یونین، سوداگروں کی یونین۔ غرض ہر یونین میں ہندوؤں کے ساتھ مل جاؤ تو تم مسلمان ہی رہو۔ راشن یونین میں ہندوؤں کے ساتھ مل جاؤ تب بھی مسلمان، لیکن اگر کوئی خوش قسمت مسلمان کانگریس یونین میں شریک ہو جائے تو اسی وقت اس پر کفر کا حکم لگا دو، تلك اذاً قسمة ضيزى۔

سیدھی بات کہو کہ تم اصل میں انگریز سے جنگ کرنا ہی نہیں چاہتے بلکہ انگریزی اقتدار کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ تم ہیر پھیر سے بات

کیوں کہتے ہو صاف کہو نا ہم انگریز سے جنگ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں جو انگریزی اقتدار سے جنگ کرنے کی غرض سے ہندو کا ساتھ دے گا ہم اُسے کافر کہیں گے تم بھی یہ جانتے ہو کہ ہم کسی لالچ یا ذاتی منافع کی غرض سے ہندو کے ساتھ نہیں ہیں، نہ ہمیں ہندو سے کوئی رشتہ داری کرنی ہے، نہ ہم کفر کی تہذیب کو پسند کرتے ہیں، ہم تو خدا پرست ہیں اور غیر ملکی اقوام سے اپنا ملک آزاد کرانا اپنے ایمان کا ایک جز تصور کرتے ہیں اور ہمیں تم سے بھی کوئی دشمنی نہیں بلکہ ہم تم کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ تم سے ہم علیحدہ اس لئے نہیں ہیں کہ تم کافر ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت مسلط کے اقتدار کو مضمحل کرنا یہ میرا ایمان ہے۔ میں ہندو سے اس لئے اشتراکِ عمل کر رہا ہوں کہ وہ میرے مقصد کی تکمیل کر رہا ہے یا کم از کم میرا مقصد پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور تم سے اس لئے بیزار ہوں کہ تم بلا واسطہ یا بالواسطہ قصداً یا بلا قصد، دانستہ یا نادانستہ انگریزی اقتدار کو اس ملک میں مضبوط کر رہے ہو، خدا شاہد ہے کہ میں نے ہندو سے اس کے کفر کی وجہ سے اشتراکِ عمل نہیں کیا ہے۔ اور تم سے تمہارے اسلام کی وجہ سے ناراض نہیں ہوں بلکہ ہندو سے اس لئے اشتراکِ عمل کرتا ہوں کہ وہ حکومت کے اقتدار کا مخالف ہے اور تم سے اس لئے بیزار ہوں کہ تم حکومت کے اقتدار کے حامی ہو، اس میں کفر اور اسلام کی بحث کیا ہے، تم ایسی غلط بات کیوں کہتے ہو جس دن تم کو خدا تعالیٰ اس قابل کر دیگا اور تم انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کی غرض سے میدان میں آؤ گے تو میں انشاء اللہ تمہاری فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں گا۔

ایک ضروری بات صاحبو! اس سے پیشتر کہ میں اپنی تقریر کو ختم کروں اپنی طبیعت کے خلاف ایک اور بات بھی عرض کرتا جاؤں

عام طور سے یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ یہ مولوی کانگریس کے تنخواہ دار ہیں، یہ ہندوؤں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں، ان کے ہاں مزے آرہے ہیں، ان کا جیل جانا ہی کیا جیل جانے میں بھی ان کی مزدوری ہوتی ہے - یہ باتیں اکثر مسلمان ہی کہتے پھرتے ہیں - میں اس قسم کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کرتا ہوں اور ان کا جواب نہیں دیا کرتا لیکن آج محض اس غرض سے کہ کہیں اس قسم کے لغو پروپگنڈے سے بعض مخلص مسلمان بھی متاثر نہ ہو جائیں چند باتیں عرض کرتا ہوں بشرطیکہ آپ میری گذارشات کو خودستائی پر محمول نہ کریں -

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
کچھ اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

معزز حاضرین! جہاں تک جیل جانے کا تعلق ہے میں ۱۹۲۰ء کے قیدیوں میں ہوں جو ابتدائی دور کے قیدی کہلاتے ہیں - اس وقت تک بارہ سال اور سات مہینے کی قید بھگت چکا ہوں ۲۵ سال کے عرصے میں ساڑھے بارہ سال کی قید اگر آپ کی نظر میں کوئی قربانی ہے تو بلاشبہ ملک کی آزادی اور وطن کو آزاد کرانے میں میری بھی قربانی کو شمار کیجیے - اور اگر یہ قربانی آپ کی نگاہ میں کوئی قربانی نہیں ہے تو چھوڑ دیجیے - پھر قید کا زمانہ کس طرح گذرا ہے، جیل میں جو مصائب برداشت کرنے پڑے اس کا تو خیر ذکر ہی کیا کرنا، بان بٹتے بٹتے انگلیوں اور انگوٹھوں کی کھال اڑ جاتی تھی اور ہاتھ کی انگلیاں خون خون ہو جاتی تھیں -

یہ تو خیر جانِ ناتواں پر گذرتی ہی تھیں پوچھنے کی بات تو یہ ہے کہ جیل خانے جانے کے بعد گھر والوں پر کیا گذرتی تھی - کانگریس کی جانب سے کوئی خدمت نہ ہوتی تھی اور مسلمان اس قید و بند کی زندگی سے خوش نہ تھے پھر آخر گھر والے کس طرح

گذر کیا کرتے تھے۔ سب سے بڑی سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو سعدیؒ کے اس شعر کو سمجھتا ہے:۔

بس گرسنہ خفت وکس ندانند کیست
بس جان بلب آمد وکس نہ گریست

ہندوستان کی آزادی کو ممالکِ اسلامیہ کی آزادی سمجھتا ہوں، بھلا ایسے کارِ ثواب پر کانگریس سے کیا لیتا، کانگریس سے روپیہ لے کر کام کرنے کو یا جیل جانے کو ناجائز سمجھتا تھا اس لئے کانگریس سے کیا لیتا اور کانگریس مجھے کیا دیتی۔

حیدر آباد کا وظیفہ: اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ خزانۂ عامرہ سے ایک سو پچیس ۱۲۵ روپے ماہوار وظیفہ دیا کرتے تھے۔ میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کے ہمراہ گجرات جیل میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ اعلیٰ حضرت نے بند کر دیا۔ گجرات جیل جانے سے پیشتر ہی اس قسم کی وارننگ دی جا رہی تھی، ادھر دہلی کے چیف کمشنر مسٹر تھامسن ہر قسم کی ترغیب اور ترہیب دلوا رہے تھے۔ اللہ غریق رحمت کرے مولانا عبدالقیوم حقانی کو کہ وہ بار بار تشریف لاتے تھے اور مجھ کو سمجھاتے تھے وہی مسٹر تھامسن کے پیغامبر تھے۔ اور جب میں نے ان کی کوئی بات نہ مانی تو انہوں نے جاتے وقت مجھ سے کہا کہ آپ نقصان اٹھائیں گے۔ ابھی تو وقت ہے آپ کا وظیفہ بھی بڑھایا جا سکتا ہے، آپ کے بچوں کے وظائف بھی مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں کسی بات پر بھی نہ جما اور کسی لالچ میں نہ آیا تو اول حیدر آباد سے مجھے نوٹس دیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ ہماری حلیف ہے اور تم ایسی تحریکات میں شریک ہو جو اس کی حکومت کے خلاف ہیں لہذا تم تحریکات سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا منصب ضبط کر لیا جائیگا۔

دہلی کانگریس کی ڈکٹیٹری

اندنوں دہلی کی کانگریس کمیٹی ان لافل اسمبلی ہو چکی تھی۔ شام کو مولانا عارف ہسوی اور لالہ دلیش بندھو تشریف لائے اور انہوں نے دہلی کانگریس کمیٹی کا یہ فیصلہ سنایا کہ آپ کو ڈکٹیٹر بنانے کا فیصلہ کیا گیا، میں نے فیصلے کو قبول کر لیا اور دوسرے دن چاندنی چوک کے دفتر میں گیا، رات کو ڈکٹیٹرانہ تقریر کی اور صبح کو گرفتار ہو گیا۔ مقدمہ چلا اور گجرات جیل بھیجدیا گیا۔ گجرات جیل میں یہ اطلاع ملی کہ اعلیٰ حضرت نے منصب ضبط کر لیا اور اب حیدرآباد کا وظیفہ بند ہو گیا۔

میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ جس دن سے وظیفہ بند ہوا اس دن سے آج تک میرے بچوں کو فاقے کی تکلیف نہیں ہوئی، البتہ سوء ہضمی کی شکایت تو میرے بچوں نے کبھی کبھی کی۔ جب حالات یہ ہوں تو میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میری ضروریات کون پوری کرتا تھا اور کہاں سے پوری ہوتی تھیں۔ حضرت حق تعالیٰ نے خوب فرمایا ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔ اپنا تمام کام اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ہوتا تھا اور میں نہیں بتا سکتا کہ کہاں سے ہوتا تھا۔ البتہ اتنا قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس سے کبھی کچھ نہیں لیا اور ان معاملات میں کانگریس کے ایک پیسے کا شرمندۂ احسان نہیں ہوں۔ یہ بحث تو خواہ مخواہ میری ذاتی بحث بن گئی۔ جمعیتہ العلماء ہند کو معلوم کیجئے کہ آخر اتنا بڑا ادارہ کس طرح چلتا رہا اور بیس سال تک یہ ادارہ کس طرح چلا اور سول نافرمانی کا خرچ کہاں سے چلا اور کیوں کر چلا۔ آپ کو تعجب تو ضرور ہو گا لیکن یقین کیجئے کہ یہ کام صرف مسلمانوں کے ایثار اور قربانی سے چلا۔ اس میں بھی کانگریس سے کوئی پیسہ نہیں لیا گیا۔ اب آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ جب کانگریس کی جانب سے اس قسم کی پیش کش کا سوال آیا تو میں نے صاف طور پہ کہدیا کہ یہ ملک ہمارا

اور آپ کا مشترکہ ملک ہے ہم کو قربانیاں پیش کرنے کا موقع دیجئے، کانگریس کے ذمہ دار افراد نے عموماً اور مسٹر آصف علی نے خصوصاً یہ بھی کہا کہ "کانگریسی تحریک میں صرف ہندوؤں کا چندہ نہیں ہے بلکہ مسلمان بھی اس میں چندہ دیتے ہیں" میں نے نہایت ادب سے عرض کیا یہ صحیح ہے لیکن جو روپیہ مسلمان دیتے ہیں وہ کانگریس کا ہی ہوتا ہے، مسلمان دینے کے بعد یاد نہیں رکھتا۔ جب ہم آپ سے روپیہ لیں گے تو یہ کہا جائیگا کہ جمعیۃ العلماء ہند کانگریس سے روپیہ لے کر کام کرتی ہے اور علماء کی یہ جماعت کانگریس کی زر خرید ہے اور خدا جانے مسلمان کیا کیا کہیں گے۔

بہرحال کانگریس کمیٹی سے کوئی پیسہ نہیں لیا اور جمعیۃ علماء کا روزنامچہ اگر پولیس کی ضبطی سے محفوظ رہ گیا ہو تو ملاحظہ کر لیجئے کہ اس وقت تک دو لاکھ ستاون ہزار روپیہ جمعیۃ علماء سول نافرمانی کی تحریک پر خرچ کر چکی ہے اور پچاس ہزار رضا کار جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے جیل جا چکے ہیں۔

رضا کاروں کا خلوص

میں آپ سے کیا عرض کروں کہ مسلمان رضا کار کس شوق سے جیل جاتے تھے۔ جیل جانے کا معاوضہ ان کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا صرف ان کے گھر والوں کو ان کے پیچھے آٹا پہنچایا جاتا تھا جو میں محلے والوں سے جمع کرتا تھا اور ان کے گھر پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب تک وہ قید میں رہتے تھے ان کی آٹے سے برابر خدمت کی جاتی تھی، جب آٹا نہیں ملتا تھا تو بازار سے خرید کر پہنچایا جاتا تھا، جب تک میں باہر رہتا تھا تو رضا کاروں کی یہ خدمت خود انجام دیتا تھا اور جب کبھی میں گرفتار کر لیا جاتا تھا تو میرے بعد یہ خدمت دوسرے حضرات انجام دیتے تھے۔ سول نافرمانی کے لئے دفتر سے علیحدہ ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جہاں رضا کاروں کو باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور

ان سے ڈسپلن اور عدم تشدد پر حلف لیا جاتا تھا اس کے بعد ان کو سول نافرمانی کی غرض سے بھیجا جاتا تھا۔ یہ تمام کام بلی ماران اور پہاڑ گنج کے مختلف مکانوں میں ہوا کرتے تھے۔ دہلی کے تمام کانگریسیوں کو ہماری اس خدمت کا علم ہے، بلکہ ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر جب مہاتما گاندھی تشریف رکھتے تھے اور مسز نائڈو بھی تشریف فرما تھیں تو میں نے ان تمام باتوں سے مہاتما جی کو آگاہ کر دیا تھا وہ سن کر بہت خوش ہوئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ گورنمنٹ کا یہ شبہ دور کیا جائے کہ کانگریس کی تحریک صرف ہندوؤں کی ہے اور ہندوستان کے دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہیں۔ جمیعۃ علمار کی اس کارگذاری پر مہاتما جی نے جمیعۃ علمار کے کاموں کی بڑی تحسین کی اور بہت خوش ہو کر فرمایا اس وقت ہندوستان میں یہی جماعت ہے جو کانگریس کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہی ہے۔ مسز نائڈو نے فرمایا مہاتما جی جو کام یہ مولوی صاحبان کر رہے ہیں اگر کانگریس یہ کام کرنا چاہتی تو نہیں کر سکتی تھی۔ مسز نائڈو نے یہ بھی فرمایا کہ مہاتما جی کانگریس ان کو روپیہ کیوں نہیں دیتی۔ مہاتما جی نے کہا میں نے تو بہت خواہش کی کہ یہ لوگ روپیہ لیں۔ میں نے مولانا آزاد سے بھی کہا مگر مولانا آزاد نے کہا کہ یہ مذہبی لوگ ہیں یہ روپیہ کانگریس سے نہیں لینا چاہتے بلکہ مسلمانوں ہی سے چندہ لے کر کام کرتے ہیں۔ مہاتما جی نے فرمایا میں نے موتی لال کو بھی کہا کہ وہ ان کو روپیہ دیں اور جس قدر روپیہ یہ مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے طلب کریں ان کو دیا جائے لیکن مفتی کفایت اللہ نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ پھر مہاتما جی نے مجھ سے فرمایا کیوں مولانا صاحب آپ کو کانگریس سے روپیہ لینے میں کیا اعتراض ہے جب کام ایک ہے، آپ بھی ملک کی آزادی کا کام کرتے ہیں اور بہت مسلمان برابر جیل

میں جاتے ہیں تو آپ ہم سے روپیہ کیوں نہیں لیتے ۔ میں نے عرض کیا کہ وطن کی آزادی کا فرض جس طرح ہندوؤں پر ہے اسی طرح مسلمانوں پر بھی ہے ۔ پس اگر مسلمان اس فرض کو پورا کر رہے ہیں تو آپ ان کو روپیہ لینے پر کیوں مجبور کرتے ہیں ، ابھی ہمارا کام چل رہا ہے ہم آپ سے کچھ نہیں لینا چاہتے ۔ ہم آزاد ہندوستان میں اپنا حق قائم کرنا چاہتے ہیں ، کل کو یہ نہ کہا جائے کہ ہندوستان کو صرف ہندوؤں نے آزاد کرایا ہے اور مسلمان انگریزوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کی مدد کرتے رہے ۔ مہاتما جی اس پر بہت ہنسے اور فرمایا یہ حق آپ کا روپیہ لینے کے بعد بھی باقی رہے گا ۔

عزیزانِ ملت ! یہ میں نے آپ کو ایک واقعہ سنایا ہے جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جو الزام ہم پر لگایا جاتا ہے وہ سرتاسر غلط ہے ۔

دہلی کی ڈکٹیٹری میں نے ابھی آپ کو بتایا تھا کہ میں دو دن کے لئے دہلی کا ڈکٹیٹر بنا تھا جو کچھ مجھ پر خرچ ہوا تھا اس کی تفصیل یہ ہے ، دو پیسے کے پھولوں کا ایک کنٹھا میرے گلے میں ڈالا گیا اور ڈھائی آنے کے پیسے ٹانگے والے کو دیئے گئے کُل تین آنے مجھ پر خرچ ہوئے ۔ رات کو کمپنی باغ میں تقریر کی اور لالہ دیش بندھو اپنی موٹر میں بٹھا کر مجھے میرے گھر پہنچا گئے ، صبح کے چار بجے مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ملال احمد زبیری مجھ کو ایک ٹانگے میں بٹھا کر جیل پہنچا آئے ۔

اب آپ سمجھئے کہ اس میں ہم نے کانگریس سے کیا کھا لیا اور کیا لے لیا ۔ اگر تم کو میرا یقین ہے تو اس بات کا یقین کرو کہ ہم نے کانگریس کا ساتھ صرف حب الوطنی اور انگریز دشمنی کی بنا پر دیا اور جب تک یہ ملک آزاد نہیں ہو جائے گا ہم کانگریس کے ساتھ وابستہ رہیں گے ، کانگریس جو کچھ کر رہی ہے وہ ہمارے مقصد کو پورا کر رہی ہے ۔

ارے بھلے آدمیو! کانگریس انگریز کو ہندوستان سے نکالنا چاہتی ہے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی تک یہ تمام بزرگ کیا چاہتے تھے اور کیا چاہتے ہیں۔ اب بتاؤ اگر کوئی جماعت اس ملک میں ایسی ہے جو میرے بزرگوں کی خواہش کو پورا کر رہی ہے تو میں اس کا ساتھ نہ دوں یا اس سے اس ساتھ دینے کی قیمت مانگوں اور یہ کہوں کہ روپیہ دلواؤ تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے ورنہ ہم انگریزوں کے ساتھ ہو جائیں گے اَسْتَغْفِرُ اللہ یہ ذلیل حرکت تم کر سکتے ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں سے ایسی کمینہ حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اب تو تم کو یقین آگیا ہوگا کہ ہم ایک اصول کے تحت کانگریس کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے کسی مالی نفع کی غرض سے نہیں۔

غضب خدا کا میں قسمیں کھا کھا کر کہتا ہوں کہ میرا تمام خرچ مسلمان برداشت کرتے ہیں، جمعیۃ علماء صرف مسلمانوں کے روپے سے چلتی ہے مگر تم خود یہ کہے جاتے ہو کہ ابھی کانگریس ان لوگوں کو روپے دے رہی ہے، میں تمہاری اور تمہاری حب الوطنی کو سراہتا ہوں اور تم میرے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہو:

جمعیۃ علماء کا تعارف

جمعیۃ علماء کو لوگ سمجھتے نہیں، میں تو آجکل صرف ایک ہی بات عرض کیا کرتا ہوں کہ جو ہم کو جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ سمجھ لے ہم وہ لوگ ہیں جب انگریز اور مسٹر جناح کہتے ہیں کہ مسلمان آزادی کی تحریک میں شریک نہیں ہے تو سب سے پہلے ہم اور ہماری جماعت کہتی ہے کہ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور ہم آزادئ وطن کی تحریک میں شریک ہیں۔ ہمارے ساتھ ہندوستان کی اور بھی تو جماعتیں مسلمانوں کی ہیں

کہتی تھیں کہ ہم تحریک آزادیٔ وطن میں کانگریس کے ساتھ ہیں۔

نیشنلسٹ مسلمانوں کی کانفرنس شاید آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ ابھی تھوڑے دن ہوئے دہلی میں ایک کانفرنس خان اللہ بخش کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی اس میں پچاس ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوا تھا وہ کانفرنس جمعیۃ علماء ہند کی مساعی کا نتیجہ تھی، محترم آصف علی استقبالیہ کے سکریٹری تھے، مولانا عبدالماجد دہلوی طعام کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ جن لوگوں نے اس کانفرنس کو دیکھا ہے ان سے پوچھئے کہ اس کانفرنس میں مسلمانوں نے کیا کہا تھا۔ اس کانفرنس کے بعد بھی کیا کوئی بدقسمت یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کانگریس کی تحریک سے علیحدہ ہیں۔ یہ مسلمانوں میں عام بیداری اور قومی تحریکات سے دلچسپی اور جوق در جوق جیل جانا جمعیۃ علماء ہند کا کارنامہ نہیں تو اور کس کا ہے۔ مہاتما گاندھی تو تمام ہندوؤں کو بھی کانگریس میں نہیں لا سکے۔ یہ جمعیۃ علماء ہند کا کارنامہ ہے کہ اس نے ہندوستان میں لاکھوں مسلمانوں کو کانگریس سے ملا دیا اور پچاس ہزار رضاکار جیل پہنچے یہ تو میرا اندازہ ہے رضاکار اس سے زیادہ ہی گئے ہوں گے۔ جو شہید ہوئے انکا تو ذکر میں نے کیا ہی نہیں، مراد آباد والوں سے دریافت کیجئے یہ وہ ضلع ہے جو تمام یو۔پی میں اول رہا اور آسام کے مسلمانوں کا کیا کہنا ہے یہاں سول نافرمانی بند ہو گئی لیکن آسام کی رپورٹ آ رہی ہے کہ وہاں رضاکار گرفتار کئے جا رہے ہیں کئی تار دفتر سے دیئے گئے جب کہیں آسام کے مسلمانوں نے تحریک سول نافرمانی بند کی۔

یہ سب کچھ کیا گیا اور میں پھر بانگ دہل کہتا ہوں اور خدا کو شاہد کر کے

کہتا ہوں کہ یہ لاکھوں روپے کا خرچ مسلمانوں نے کیا، میں نے اپنی ذات کے لئے یا جمعیۃ علماء کے لئے ایک پیسہ کانگریس فنڈ سے نہیں لیا، اگر پھر بھی کوئی یہ کہے کہ آزادیٔ وطن کی تحریک میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں اور مسلمان اس تحریک سے علٰحدہ ہیں تو ایسی بات کوئی پرلے درجے کا کذاب اور جھوٹا ہی کہہ سکتا ہے یا مسٹر جناح ایسی بات کہہ سکتے ہیں، یا وہ متعصب ہندو ایسی بات کہہ سکتا ہے جو چاہتا ہے کہ آئندہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی حصہ تسلیم نہ کیا جائے۔ خدا جانے تمہاری عقلوں پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ تم خود یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہو کہ مسلمان اس تحریک سے الگ ہیں۔

ایک اور ذاتی واقعہ میرے دوستو! شاید یہ بحث تشنہ رہ جائے گی اگر میں ایک اور اہم واقعہ کا تذکرہ نہ کروں جو میرے ساتھ پیش آچکا ہے، یوں تو ہر روز ہی کوئی نہ کوئی سی۔آئی۔ڈی کا افسر مجھے آکر سمجھاتا تھا اور ہر طریقہ سے لالچ دیا کرتا تھا۔ مسٹر وصی خدا جانے زندہ ہیں یا مر گئے ان کا تو روزانہ معمول تھا، مسٹر جیفری سپرنٹنڈنٹ تھے انہوں نے ان کی یہ ڈیوٹی مقرر کر دی تھی کہ تم روزانہ جا کر مولانا صاحب کو لالچ دیا کرو، چنانچہ وصی صاحب آیا کرتے تو میں ان کو اس چکی کی زیارت کرادیا کرتا تھا جو میں نے اوپر کے مکان میں لگا رکھی تھی اور روز کھڑے ہو کر اس میں گیہوں پیسا کرتا تھا۔ وصی صاحب غالباً ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے وہ غریب چکی کو دیکھ کر چپ ہو جاتے تھے۔ جب میں ان سے پوچھتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کیا دیدیں گے تو وہ کہتے تھے کہ فی الحال شاید سو روپے ماہوار دیں گے پھر اور بڑھا دیں گے۔ میں کہتا تھا کہ میاں یہ رقم تو مجھ کو مسلمان بھی دیدیا کریں گے۔ بھلا وصی اس معمولی رقم کے لئے تم میرا ایمان

خرید نے آئے ہو، وہ غریب خاموش ہو کر چلے جاتے تھے، یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۴۶ء
میں جب جمعیۃ علماء نے مولانا فریابی کی شرکت منظور کی تو میرے لئے ایک اور امتحان
اور ابتلاء شروع ہوا اس زمانے میں سی۔ آئی۔ ڈی کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر سبینبر تھے۔
انہوں نے چند آدمی میرے پیچھے لگا دیئے کہ مولانا صاحب کی ہم سے ملاقات کراؤ
چنانچہ بعض دوستوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں سبینبر صاحب سے ملاقات کر لوں،
میں نے حضرت مفتی صاحب قبلہ سے ذکر کیا حضرت مفتی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ
جاؤ ملاقات میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسٹر سبینبر سے ملاقات

مسٹر سبینبر سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی سے کم و بیش ایک گھنٹہ پچاس منٹ ملاقات کا سلسلہ جاری رہا
میر ممتاز علی، مولوی عبدالقیوم حقانی اور دوسرے بڑے بڑے دم گلے حضرات
موجود تھے اگر ایک بات سپرنٹنڈنٹ صاحب فرماتے تھے تو یہ حاشیہ نشین حضرات
دس باتیں اور بڑھا کر کہتے تھے، صاحب یہ کرا دیں گے اور صاحب آپ کے بچوں
کی امداد فلاں ریاست سے کرا دیں گے اور فلاں ریاست سے بچوں کی تعلیم کے لئے
پانچ سو روپے ماہوار ہو جائیں گے غرض آپ اس سول نافرمانی سے مسلمانوں
کو علیحدہ رکھیں اور جو رعایت آپ اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے کہیں وہ سب ہم
کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن میں نے ان سے کہا صاحب! ان باتوں کا یہ وقت نہیں
ہے اب مسلمانوں کو کسی قیمت پر بھی کانگریس کی تحریک سے علیحدہ نہیں رکھا جا سکتا،
اب تو آپ کو ہندوستان چھوڑنا ہی پڑے گا۔

آخر میں جب سبینبر صاحب بہت پریشان ہوئے تو وہ دھمکیوں پر اتر آئے
اور انہوں نے کہا کہ تم کو بہت نقصان ہو گا اور تم ایک لمبی مدت تک جیل خانے میں

بند کر دیئے جاؤ گے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کی دھمکیوں کا بھی کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ ہم عیسائی ہیں اور گاندھی کی قوم بت پرست ہے مذہباً ہم تم سے زیادہ قریب ہیں ہندو قریب نہیں ہے وہ تم سے مذہباً بہت دور ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ یہاں تک نیچے اتر گئے تو میں نے ان سے آخر میں ایک بات کہی:۔

سینیر صاحب! میں بہت خوش ہوا کہ آپ ایک مذہبی آدمی ہیں۔ یہ ملک بہرحال ایک دن آزاد ہوگا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رکھ کر تمام دنیا میں مسلمانوں کا منہ کالا کراؤں اور تمام دنیا کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں پر لعنت کریں کہ مسلمانوں نے آزادی کی تحریک سے علیحدہ رہ کر تمام دنیا کے مسلمانوں کو غلام رکھا اور ہندوستان کی آزادی میں دیر لگا کر ہم کو نقصان پہنچایا۔ اور ہندوستان کو آزاد کرانے والی پارٹی مسلمانوں کو اور ان کی اولاد کو یہ طعنہ دے کہ ہم نے تنہا ملک کو آزاد کرایا ہے اس آزادی میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ میں آپ کا کہنا مان لوں تو خدا تعالیٰ کے دربار میں بھی میرا منہ کالا ہو اور تمام عالم اسلامی میں بھی میری رسوائی ہو اور ہندوستان کے ہندو کے سامنے بھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کر سکوں۔ مسٹر سینیر! میں ایسے مشورے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

اس تقریر کے بعد مسٹر سینیر نے صرف اتنا کہا کہ ہمارے پاس اور مولوی صاحبان آتا ہے وہ ہم سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم سول نافرمانی کی تحریک کے خلاف کام کریگا اور یہ تحریک اسلام کے خلاف ہے۔ میں نے کہا صاحب! آپ کے پاس بہت لوگ آتا ہوگا لیکن اس ہندوستان میں آپ ایک ایسے شخص کا نام بھی اپنی رپورٹ میں لکھ لیں جس نے آپ کی بات نہ لالچ سے مانی اور نہ جیل کے خوف سے آپ کی بات تسلیم کی اور صرف خدا کے خوف سے اس نے آپ کے آگے سر نہیں جھکایا۔ میرے اس فقرے کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

صاحبو! یہ میری زندگی کا ایک پوشیدہ واقعہ تھا جو میری نوٹ بک میں تو ضرور درج ہے لیکن میں نے آج سوائے آپ کی مجلس کے اپنی کسی تقریر میں اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ میں اس کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، شاید میری زندگی کا یہی ایک عمل قیامت میں میری نجات اور میری مغفرت کا سبب ہوجائے اور حضرت حق جل مجدہ کا فضل میری دست گیری فرمائے۔

معاف کیجئے میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا اور بعض وہ راز بھی ظاہر کر دیئے جو میں اپنے سینے میں پوشیدہ لے جانا چاہتا تھا، کاش میری باتوں کا تم کو اعتبار آئے۔

آخر کلام

بہرحال باتیں بہت سی عرض کرنی تھیں لیکن ایک طرف میری طویل علالت اور دوسری طرف میری خانہ نشینی نہ اب میں تقریر کرتا ہوں نہ کہیں سفر کرتا ہوں یہ مختصر سی تقریر بھی میں نے یہاں کی جمعیۃ علماء کے بعض ارکان کی فرمائش پر کر دی، میں تو آجکل قرآن شریف کا ترجمہ اور ایک مختصری تفسیر لکھنے میں مشغول ہوں، الحمدللہ ترجمہ پورا ہوگیا ہے اب صرف نظر ثانی اور تفسیر لکھنی باقی ہے۔ میں آپ سے چلتے وقت صرف اتنا ہی عرض کرجاتا ہوں کہ آئندہ الیکشن میں جمعیۃ علماء کی بات نیچی نہ ہونے پائے۔ اگر تم کو اسلام سے محبت ہو اور تم مذہب اور اہل مذہب سے الفت رکھتے ہو تو تم کو علماء حق کا ساتھ دینا چاہیئے میں نے بات صاف کر دی ہے تم کو غلط اور جھوٹے پروپگنڈے سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے خدا تمہاری مدد کریگا بشرطیکہ تم نے اس کے دین کی مدد کی۔ اس وقت بدقسمتی سے موجودہ الیکشن نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے کہ دین کی عزت اور اسلام کی آبرو کا سوال پیدا ہوگیا ہے۔ ایک طرف لادینی اور دین کے مٹانے کا حال آپ کے سامنے ہے جو کچھ ہو رہا ہے اور علماء کیساتھ جو سلوک کیا جارہا ہے وہ جناب کی آنکھوں کے سامنے ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ سہ

ہرطرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

اگر مسٹر جناح سرکار پرستوں اور نا سمجھ طالب علموں اور کمیونسٹ نوجوانوں کی ہمت افزائی نہ کرتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ لیکن انہوں نے خود ایسی فضا پیدا کردی جو دین حق کے لئے سخت خطرناک ہے اور اب مجھے دیکھنا ہے کہ مسلمان حق کی طرف جاتے ہیں یا باطل کی طرف ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے، پروپگنڈے کی طاقت بھی نہیں ہے، سرکاری اثر رسوخ سے بھی ہم تہی دست ہیں۔

ہاں صرف دین حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گذار ہیں، اسی کے نام پر مسلمانوں کو بلاتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو خدا اور اس کے رسول کا نام لیکر بلایا ہے تو وہ والہانہ اور عاشقانہ اور دیوانہ وار بڑھے ہیں، یہ دعوت اور پکار صرف میری نہ سمجھو بلکہ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ یہی پکار عرب لیگ کی ہے اور یہی پکار فلسطین کے شہیدوں کی ہے، جو کچھ میں تم سے سہارنپور کے مسلمانوں کہہ رہا ہوں یہ الجیریا اور جاوا کے مسلمانوں کی آواز ہے۔ جو میں جناب سے درخواست کر رہا ہوں یہ درخواست صرف میری درخواست نہیں ہے بلکہ تمام عالم اسلام کی اس وقت یہی درخواست ہے دنیا کے ہر مسلمان کی آنکھیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، اگر آپ نے اس وقت مذہب اور اہل مذہب کا ساتھ دیا تو یقین مانو تم سے خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے اور اگر اس وقت تم نے مذہب کے تحفظ اور بچاؤ کی کوشش نہ کی تو تم قیامت میں جواب دہ ہوگے۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیلیا، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کاش میری صحت مجھے موقع دیتی تو میں آپ کی مزید خدمت انجام دے سکتا، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

یہ تقریر آپ نے سہارنپور میں فرمائی اور مسلم الیکشن بورڈ کی طرف سے ہزارہا کی تعداد میں طبع کرا کے شائع کی گئی۔